جدوجہدوعمل۔۔۔قومی بیداری کیلئے!!!

ماہنامہ

آزاد

بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (آزاد)

نومبر:2012 | شمارہ نمبر:4 | جلدنمبر:1

فہرست

اداریہ		02
رہبری کے تقاضے	اسلم بلوچ	03
لیڈراورمقبولیت	علی شیر بلوچ	05
آزادبلوچستان۔وابے،واھگے،منزلے باریں چی یے؟	جوان بلوچ	07
قومی تحریکوں کاانقلابی کردار	سٹالن	13
آپکے چھ پوائنٹ اورمیرے چھ منٹ کی مختصر بحث	فیض بلوچ	14
کچھ لمحوں کاساتھ مگرزندگی کانقش	برمش بلوچ	15
کامریڈعدنان نمیران اِنت	نودبندگ بلوچ	16
بلوچ نوجوان جہدکاروں پرغلامی کےنفسیاتی اثرات۔۔	نوہان بلوچ	18
جاسوس یاپیسے کےسوداگر	بورتاچ بلوچ	20
زندان	بلوچ خان دہانی	22
شہیدسنگت اسدجان مری	چی بلوچ	25
عوام پریقین اورمضبوط تنظیم نہ ہوتو کامیابی ممکن نہیں	چیئرمین بلوچ خان کا خطاب	26
دشمن اورگماشتوں کی عیاریاں اورہماری ذمہ داریاں۔۔پمفلٹ	ادارہ	27
پہلے کی نسبت آج قومی تحریک میں خواتین کی شراکت زیادہ ہے	بانک کریمہ بلوچ کاخصوصی انٹرویو	28
اختر مینگل یقیناًایک سمجھوتے کےتحت اسلام آباد گیاہے	میرحیربیارمری کاخصوصی انٹرویو	33
اختر مینگل آئی ایس آئی کے اشارے پراسلام آباد گیاہے	براہمدغ خان بگٹی کاخصوصی انٹرویو	38
آئینۂ حقائق	قائم خان بلوچ	40
اخباری بیانات	ادارہ	43

www.sagaar.org Blog : azadmagazine.blogspot.com E-mail : azadmagazine@gmail.com

اداریہ

پاکستانی بربریت میں شدت اور آزادی پسندوں کے درمیان اتحاد کی ضرورت

قومی تحریک آزادی کی کامیابیوں اور تسلسل کے ساتھ ساتھ پاکستانی اداوں کی بربریت بھی شدت کے ساتھ تیز ہورہی ہے پہلے سے جاری جبری گمشدگیاں اور لاشیں پھینکنے میں تیزی آچکی ہے جبکہ پاکستانی گماشتے الیکشن کی تیاریوں میں اپنے شب و روز ایک کیئے ہوئے ہیں۔گزشتہ ایک دہائی سے زائد کے تسلسل نے تحریک آزادی کو بلوچ عوام میں مقبول بنادیا ہے اور آج بلوچ معاشرے کا ہر طبقہ آزادی کے مقصد کیلئے قربانیاں دے کر استحصال اور محکومی کے خلاف آزادی کی جدوجہد میں شامل ہوچکا ہے جبکہ پاکستان کی بربریت اور سفاکیت اور چھ دہائیوں پر محیط استحصال نے ہر بلوچ گھر کو متاثر کردیا ہے اور بلوچ قوم کے سامنے یہ حقیقت واضح ہوچکی ہے کہ پاکستانی ادارے اور قوم پرستی والیکشن کے نام پر ان کے ساتھ تعاون کرنے والے بلوچ قوم کے غلامی کو جاری رکھنے کیلئے برسرپیکار ہیں جس کے خلاف ہر بلوچ کو جدوجہد کے میدان میں اترنا ہوگا۔گزشتہ عید کی طرح اس عید کے موقع پر بھی جہاں تمام عالم اسلام عید کے مذہبی تہوار پر خوشیاں منارہا تھا تو بلوچ سرزمیں پر پاکستانی قبضہ گیریت اور ظلم و جبر کا شکار بلوچ قوم نے لاپتہ افراد اور بلوچ شہدا کی یاد میں عید گزاری اور لاپتہ افراد کے اہلخانہ نے عید کے روز کوئٹہ میں پاکستانی جارحیت کے خلاف احتجاجی ریلی نکالی۔جبکہ عید کے روز ہی 3 بلوچ فرزندوں زاہد بلوچ،عمر بلوچ اور فدا بلوچ کو اغواء کیا گیا جبکہ گزشتہ مہینوں سے گمشدگیوں میں تیزی لائی گئی ہے ۔ہزاروں بلوچوں کی گمشدگیوں اور 500 سے زائد مسخ شدہ لاشیں وصول کرنے کے بعد بلوچ قوم کی زندگی کی ہر خوشی اور ہر تہوار جدوجہد کا منظر پیش کررہا ہے مسلسل شہادتوں اور گمشدگیوں نے بلوچ قوم کو پاکستان کے خلاف مزید منظّم کردیا ہے۔

دوسری جانب ایک فیصلہ کن مرحلے کی جانب بڑھتی ہوئی تحریک پاکستانی تشدد اور دیگر حربوں کے خلاف مزید پختہ اور منظّم ہوتی جارہی ہے جہاں تحریک عوامی مقبولیت اور عالمی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوچکی ہے جس کے ساتھ ساتھ تحریک کے اندر موجود کچھ مسائل جو کہ اب تک دیگر واقعات کے سامنے پس منظر میں جاچکے تھے اب منظر نامہ پر سامنے آنا شروع ہوگئے ہیں جن کا حل ہونا تحریک کیلئے اشد ضروری ہے جو کہ آنے والے وقت میں تحریک کی نوعیت اور نئے صف بندیوں کی بنیاد بنیں گی۔حالیہ دنوں پاکستانی الیکشن اور بلوچ آزادی پسند رہنماؤں کے میڈیا کو دیئے گئے انٹرویوز کے ذریعے سامنے آنے والے موقف سیاسی منظر نامے پر چھائے ہوئے ہیں۔جن میں ڈاکٹر اللہ نظر بلوچ، حیر بیار مری اور براہمدغ بگٹی کے انٹرویوز شامل ہیں۔براہمدغ بگٹی نے اپنے حالیہ انٹرویو میں پہلی مرتبہ بی این پی مینگل کے حوالے سے واضح موقف اختیار کیا ہے واضح رہے کہ اب تک بی آر پی بی این پی مینگل کے حوالے سے دیگر آزادی پسند تنظیموں بی ایس او آزاد، بلوچ نیشنل وائس اور بی این ایم کے سخت اور واضح مخالفت کے برعکس نرم موقف رکھے ہوئے تھا لیکن براہمدغ بگٹی نے بی این پی مینگل سے کسی بھی طرح کے تعاون اور اتحاد کے امکان کو سرے سے ہی رد کرکے اسے پاکستانی خفیہ اداروں کے ہمنوا پارلیمانی پارٹی قرار دیا۔جس سے سیخ پا ہوکر بی این پی مینگل کے ترجمان نے بی آر پی کے آزادی کیلئے شہید ہونے والے کارکنوں کی شہادت کو سرداری ونوابی کیلئے دی جانے والی قربانی سے تعبیر کرکے ان عظیم شہداء کی قربانی کی توہین کرنے کا شرمناک عمل کیا۔جبکہ اسی دوران براہمدغ بگٹی نے حیر بیار مری کی جانب سے پیش کی جانے والے چارٹر آف لیبریشن کے متعلق پہلی مرتبہ میڈیا کے سامنے اپنے تحفظات کا اظہار کیا ہے۔واضح رہے کہ اسی سال فروری کے مہینے میں حیر بیار مری کی جانب سے چاٹر آف لیبریشن مرتب کرکے اسے براہمدغ بگٹی، آغا سلیمان داؤد اور دیگر آزادی پسند جماعتوں کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اختر مینگل کو بھی پیش کی گئی تھی۔چارٹر آف لیبریشن تا حال عوام کے سامنے نہیں لائی گئی ہے جبکہ حیر بیار مری کے مطابق چارٹر ابھی ابتدائی مراحل میں ہے جسے پہلے مرحلے میں دیگر جماعتوں اور تنظیموں کو پیش کیا گیا ہے جبکہ دوسرے مرحلے میں اسے عوام کے سامنے لایا جائیگا۔چارٹر آف لیبریشن آزادی پسند حلقوں کی جانب سے ایک دیرینہ تجویز تھی تاکہ بلوچ عوام کو ایک منظّم نصب العین دیا جائے اور عالمی اداروں میں بلوچ تحریک آزادی کے حوالے سے ایک ٹھوس دستاویز پیش کی جائے جو کہ عالمی سطح پر بلوچ تحریک آزادی کے تقاضوں کو پورا کرسکے۔جس کے بعد حیر بیار مری اور ان کے دوستوں نے چارٹر آف لیبریشن کے نام سے ایک دستاویز مرتب کی جس کی تیاری میں ذرائع کے مطابق قومی تحریک کے عظیم رہنماء نواب خیر بخش مری کی قائدانہ صلاحیتوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔چارٹر کے پیش کیئے جانے کے بعد اب چارٹر پر آزادی پسند قوتوں کی جانب سے واضح موقف آچکا ہے براہمدغ بگٹی نے چارٹر پر اپنے تحفظات کا اظہار کیا ہے جبکہ ڈاکٹر اللہ نظر بلوچ نے چارٹر کو ایک نیک قدم قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ تمام آزادی پسندوں کو اس سے متفق ہونا چاہیے جبکہ دیگر آزادی پسند سیاسی تنظیموں بی ایس او آزاد اور بی این ایم نے چارٹر کو مثبت قرار دیا ہے۔اب اصل بات یہ رہ جاتی ہے کہ موجودہ وقت میں جب پاکستان اپنی تمام گماشتہ کرداروں کو مجتمع کرکے ان کو تحریک آزادی کے خلاف استعمال کررہا ہے، آزادی پسند جماعتوں کو بھی منظّم و متحد ہوکر جدوجہد کرنی چاہئے۔آزادی پسند رہنماؤں اور تنظیموں کے درمیان چارٹر آف لبریشن یا کسی اور حوالے سے اگر کوئی اختلاف یا تحفظات و خدشات موجود ہیں تو انہیں مل بیٹھ کر باہمی مشورے سے دور کرنا چاہیئے تاکہ تحریک میں ابہام اور رد انقلابی قوتوں کو فائدہ اٹھانے کا موقع نہ مل سکے لیکن آزادی جیسی انقلابی مقصد کو منزل تک پہنچانے کیلئے ضروری ہے کہ اتحاد سیاسی مصلحت اور غیر انقلابی رویوں کے بجائے محض انقلابی بنیادوں پر ہو۔تاکہ تحریک میں انقلابی بنیادیں مزید پروان چڑھ سکیں اور تحریک کو آزادی کی منزل تک پہنچانے اور مستقبل میں ایک قومی ریاست چلانے کیلئے انقلابی اداروں کی نشوونما ہو سکے۔

رہبری کے تقاضے

اسلم بلوچ

کسی بھی معاشرے کے ذمہ دار ارکان کی ذہنی کیفیت کے بارے میں فریب دینے والی بات ان کے متفقہ تصورات کی ''معقولیت'' ہے۔ پیچیدہ مسائل کو لیکر آسان اور فوری پسندیدہ نتائج کیلئے کسی بھی سطح پر حقائق اور سچ کو مسخ کر کے غیر حقیقی اور غیر دیرپا، مگر وقتی پر اثر خیالات اور احساسات کا سہارا لیا جائے۔ الف ب ی کے قانون کو نظر انداز کیا جائے (ہمارے ہاں اس کیلئے ماضی کی دو مثالیں موجود ہیں ایک سردار عطا اللہ مینگل کا پارلیمانی جماعت بی این پی بارے کوششیں اور اس کا انجام دوئم ماضی قریب میں آزادی پسند غیر پارلیمانی جماعتوں کے اتحاد بارے کوششیں بلوچ نیشنل فرنٹ اور اس کا انجام۔ ان دونوں تجزیوں پہ اگر غور ہو تو ان میں صرف اور صرف آسان اور فوری حل کو مدنظر رکھا گیا۔ دوسری طرف وہ تمام حقائق اور سچ جو تمام اتحادیوں کے ماضی کی کارکردگی اور ساخت سے تعلق رکھتے تھے۔ مثلاً ان تمام کے وجود میں لانے کے مقاصد، وجوحات اور تمام حالات کو مد نظر رکھ کر اگلی سطح پہ اہداف بارے ان تمام کا زاویہ نظر اور سمت کو لیکر پروگرام، حکمت عملی و کارکردگی وغیرہ بارے تجزیہ میں ''معقولیت'' اور غیر معقولیت کی سطح کی نشاندہی بغیر کسی غرض و تعصب کے، ماضی کی کارکردگی میں خامیوں، غلطیوں بارے لاعلمی، غرض، تعصب وغیرہ کی نشاندہی، حد بندی اور پوچھ گچھ ان کے برعکس صرف اتحاد کے پر اثر خیال و احساس کو مدنظر رکھ کر تمام حقائق بارے تلخ سچائیوں کو نظر انداز کر کے جو تجزیے کیئے گئے۔ وہ فطری قوانین کے خلاف ہونے کی وجہ سے کیسے کامیاب ہو سکتے تھے) بعض اوقات سادہ لوحی کو لیکر لوگوں کی اکثریت بھی ان میں سے بعض خیالات و احساسات کو قبول کریں اور وہ یہ بھی مان لیں کہ یہ احساسات و خیالات معقول ہیں۔ (تحقیق ہو تو یہ سمجھنے میں بھی شاید دیر نہ لگے کہ سادہ لوحی کی سطح بھی سماجی شعور کی سطح سے نسبت ہے) اگر اس کو ایسا سمجھا جائے کہ کہیں پہ لوگوں کی اکثریت کوئی غلطی یا گناہ کرتے ہوں۔ تو اکثریت کے کرنے سے وہ غلطی، صحیح یا سچائی اور گناہ، نیکی نہیں بن جاتی۔ اور نہ ہی قرار دیا جا سکتا ہے برے اور بھلے کی تمیز کو لیکر آفاقی توازن ہی سماج دشمن قوتوں کے حربوں کو ناکام بنا کر ان کے کام کو مشکل بنا دیتی ہے۔ ورنہ تو غلطیوں کو صحیح جواز بنا کر سازشی عزائم کیلئے راہ ہموار کرنا سماج دشمن عناصر کا حربہ ہے۔ اور اسی توازن کیلئے سماج رہبر اور رہبری کا طلب گار ہوتا ہے۔ اور رہبری شدت سے تقاضا کرتا ہے۔ اولاً خود شناسی، ذہنی وسعت یا وسیع النظری کا، دوئم جرات اور معاملہ فہمی کا۔ تخلیق اور قوت ارادی کا اور ان سب سے مربوط ذاتی تجدید نو کا۔ رہبری کے تقاضے فطری قوانین سے کیسے اور کیوں کر مربوط ہیں۔ اس کو سمجھنے کیلئے ہمارا ان نقاط پر غور کرنا شاید ضروری ہو جاتا ہے۔ فطری قوانین مخصوص اصولوں پہ استوار ہوتے ہیں۔ مثلاً سورج اور چاند کا ہزاروں سالوں سے اپنے مدار میں چکر لگانا، کشش ثقل، روشنی کے قوانین، حرکت کے قوانین وغیرہ آگ، آندھی اور سیلابی ریلے کسی بھی کمسن بچے یا ضعیف شخص کے بڑھاپے پر انسانی فطرت کے طور رحم نہیں کرتے۔ وہ اپنے اثر اور راستے سے ہرگز دستبردار نہیں ہوتے۔ اگر آگ جلانے سے دستبردار ہو جائے تو آگ نہیں کہلاتا۔ بھوک اور پیاس کسی کی حیثیت و بے بسی کے سامنے فنا نہیں ہوتے۔ جیسا کہ فطرت کے قوانین غیر معتبدل ہوتے ہیں۔ بلکل اسی طرح انسانی مقبولیت و موثر ہونا بھی مخصوص ناقابل تنسیخ اصولوں پر مبنی اور ان سے مشروط ہوتا ہے۔ کسی بھی ادارے، پروگرام، منصب، مقام یا عہدے کو لیکر کوئی بھی فرد یا گروہ باقی ماندہ حالات یا عوامل پر اثر پزیری کیلئے بنا اصولوں کے کیسے حقدار ٹھرایا جا سکتا ہے۔ اتفاقاً بدقسمتی سے کسی نہ کسی وجہ سے اکثریت بھی ان کا ساتھ دیں تب بھی وہ کسی صورت دیرپا اور کامیاب نہیں ہونگے۔ کیوں کہ یہ فطری قوانین کے خلاف ہوگا۔ ویسے بھی جہاں مخصوص قسم کے اصول اور ضابطے نہ رکھے جائیں وہاں کامیابی اتفاقات کی مرہون منت ہوتی ہے۔ اصول ہم یا معاشرہ وضع نہیں کرتے، یہ کائنات کے قوانین ہیں۔ جو انسانی تعلقات اور انسانی اداروں سے تعلق رکھتے ہیں۔ میری رائے کے مطابق ان کو آفاقی توازن کا میزان کہہ سکتے ہیں۔ یہ انسانی حالات شعور اور ضمیر کا حصہ ہوتے ہیں۔ لوگ جس حد تک ان کو تسلیم کرتے ہیں اور ان سے ہم آہنگ ہو کر چلتے ہیں۔ مثلاً ایمانداری، برابری، انصاف، دیانتداری، محنت، عدم تعصب کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ استحکام اور بقاء کی طرف گامزن رہتے ہیں۔ کسی بھی غیر اخلاقی فعل سے دستبردار رکھنے کیلئے صرف اور صرف سزا کو

لیکر قانون کا خیال آڑے آئے اس سے ذرا ہٹ کر یہ سوچ کہ اس غیر اخلاقی حرکت کو کرنے سے لوگ مجھے کیا سمجھیں گے۔ اور معاشرے میں میری عزت کو لیکر یہ حرکت میری شخصیت کیلئے کس مقام کا تعین کرے گا۔ ذاتی غرض کے اس مریضانہ سوچ سے ذرا اور آگے اس احساس پر غور کرتے ہیں جس میں یہ خیال اس غیر اخلاقی حرکت سے روکے کہ یہ حرکت جو میں کسی کے ساتھ کر رہا ہوں اگر یہ میرے ساتھ ہوتا تو؟ کسی بھی حوالے سے دولت وملکیت یا پھر رشتے ناطوں کو لیکر کسی کے ایسے غیر اخلاقی حرکت سے میں متاثر ہوتا تو؟ اور اس سے بھی کچھ قدم آگے کہ میری اس غیر اخلاقی حرکت کو کرنے سے میرے آس پاس کے ماحول اور اس سے جُڑے لوگوں پر کیا اثرات پڑیں گے۔ گھر، خاندان، گلی، محلّہ میں اکثریت کے کرنے سے حوصلہ شکنی اور حوصلہ افزائی کے حوالے سے اثرات کیا ہونگے (مثلاً کسی گھرانے میں چار بالغ افراد اگر سرعام سگریٹ پیتے ہوں تو اس گھر میں پرورش پانے والے بچے کسی صورت سگریٹ کے مضر اثرات کو لیکر اس کو صحت کیلئے مضر نہیں سمجھیں گے۔ تعلیم کسی بھی مقام پر ہو شعور کو لیکر روزانہ تسلسل انجام پانے والی حرکات جب عادت بن جاتے ہیں۔ تو وہ معاشرتی انحطاط کی بنیادوں میں احمقانہ افعال کے طور پر تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اب ان مندرجہ بالا چاروں نقاط میں کس مقام سے بہتر سوچ کو لیکر رہبری کے حدود شروع ہوتے ہوئے فطری قوانین سے مربوط ہونے اور بین الافرادی اور سماجی انصاف اور برابری کے متوازن حد کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اور یہ تو طے ہے کہ جہاں بھی لوگ اصولوں کے برعکس زندگی گزارتے ہیں۔ تو انتشار اور بربادی کا رُخ کرتے ہیں اصولوں کی مرکزیت ہمیں ایک ایسا تحفظ مہیا کرتی ہیں۔ جس میں تبدیلی، مقابلے یا تنقید سے کوئی خطرہ نہیں رہتا بلکہ اپنے مشن کے تعین کی رہنمائی میسر آتی ہے۔ اپنے کردار کے حدود واضح ہوجاتے ہیں ہمیشہ اہداف اور مقاصد پیش نظر رہتے ہیں اپنی غلطیوں سے سیکھنے کی بصیرت ملتی ہے مسلسل ترقی کی جستجو زندہ رہتی ہے ایک دوسرے کو بہتر سمجھنے اور تعاون کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ کسی بھی قسم کے دباؤ اور تناؤ میں بھی بہتر انداز میں جاری وساری رہتا ہے۔ اس تمام کے برعکس بدقسمتی سے ہمارے ہاں اکثریت کی طرف سے اصولوں اور اخلاقیات کو پس پشت ڈال کر بے ہنگم اقدامات کو لیکر یہ سوچ رہے ہوتے ہیں کہ وہ فطرت اور دیکھنے والوں کو بے وقوف بنالیں گے۔ معاشرتی انحطاط کی بنیادوں میں ہر وقت احمقانہ افعال موجود ہوتے ہیں جیسے ہی درست اصولوں کی خلاف ورزی شروع ہوجاتی ہے۔ وہ متحرک ہوکر اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔ کوئی بھی فطری قوانین کی خلاف ورزی کر کے عافیت سے کیسے رہ سکتا ہے۔ ہم ان پر یقین رکھتے ہوں یا نہیں یہ صدیوں سے انسانی تاریخ میں موثر ہوتے آ رہے ہیں۔ ان مسلمہ اصولوں کی رہنمائی اور اطاعت ہی افراد کو موثر اور اداروں کو طاقتور بنادیتی ہے۔ جہاں اصولوں کی زیرنگرانی چھوٹے بڑے مسائل کو دیکھا جاتا ہے وہاں ان کے فوری اور آسان حل کی توقع نہیں کی جاتی۔ کیوں کہ یہ فوری وآسان حل یعنی شارٹ کٹ کی ضد ہوتے ہیں۔ یعنی ان کے فوری حل کیلئے کوشش مزید بھگاڑ پیدا کر دیتے ہیں۔ ہم مخصوص ماحول میں پرورش پا کر بڑے ہوتے ہیں۔ ہمارے ذاتی اقدار ہمارے ثقافتی پس منظر اور اس کے اثرات ذاتی عقائد اور خاندانی روایات کا امتزاج ہوتے ہیں۔ انہی پہ ہمارا زاویہ نظر بنتا ہے جس کے ذریعے ہم دنیا کو دیکھتے ہیں۔ معاملات بھانپتے ہیں۔ ترجیحات مرتب کرتے ہیں۔ اور انہی اندازوں پہ رویہ اپناتے ہیں۔ اور ہمارا طرز عمل اور ردعمل انہی اقدار کے حدود میں گھومتا رہتا ہے۔ یہاں دیکھنا ہے کہ یہ فطری قوانین سے کس قدر ہم آہنگ ہیں۔ جہاں بین الافرادی مسائل کا سامنا ہو وہاں ذاتی زاویہ نظر کو لیکر مختلف افراد کا اڑھ جانا اور اپنے ہی پسندیدہ نتائج کیلئے فوری اور آسان حل کی توقع کرنا ہی بھگاڑ کا سبب بنتا ہے۔ مسلمہ اصول جب مسلسل زیرعمل لائے جاتے ہیں۔ یعنی لین دین، دوستی، ذاتی و سیاسی معاملات میں مکمل انصاف، برابری، ایمانداری، دیانتداری، عدم تعصب جیسے بنیادی اصولوں کی مکمل پابندی کی جاتی ہے۔ تو ان سے ایسے مثبت رویوں پر مبنی پر اثر عادتیں جنم لیتی ہیں۔ جو افراد تعلقات اور اداروں کی مکمل تبدیلی ممکن بنادیتے ہیں۔ یعنی جب آپ ہر قسم کے تقاضوں بابت اصولوں پر پابند رہینگے تب ہی ان کے اثرات کے بل بوتے پر دوسروں کو پابند کرسکیں گے۔ ذاتی یا سماجی اقدار بھی جب تک درست اصولوں سے ہم آہنگ نہ ہوں وہ کھوکلے اور بے اثر ہوتے ہیں۔

زندگی کے عمل کے نقطہ نظر کو علم کے نظریے میں اولین اور بنیادی حیثیت کا حامل ہونا چاہیئے۔۔۔۔((کارل مارکس))

لیڈر اور مقبولیت

علی شیر بلوچ

جس طرح مقبولیت کے گراف کو اُوپر جانے کیلئے ایک مدّت ،ایک ریاضت اور ایک مشقّت درکار ہوتی ہے اور مقبولیت کے دشت کو عبور کرنے کے لئے آبلہ پائی کرنی پڑتی ہے اسی طرح جب مقبولیت کو گن لگنے لگتا ہے،تو ایک کے بعد دوسری غلطی سرزد ہوتی چلی جاتی ہے اور یہ غلطیاں مقبولیت کے سنگھاس کو ڈنوال ڈول کر دیتی ہیں۔تاریخ میں کبھی لوگوں نے اندھی عقیدت نہیں کی یہ صرف مذہبی شخصیتوں تک محدود ہو تو ہو ویسے اس عقیدت کا بھی ایک پہلو ہے جس پر بحث ہوسکتی ہے لیکن اس وقت بات سیاسی قائدین کی ہورہی ہے اس لئے سیاسی قائدین کو اندھی عقیدت نہیں ملتی ہے یہ عقیدت اور مقبولیت مشروط ہوتی ہیں سیاسی قائدین کی مقبولیت ومحبوبیت معروضی حالات پر مشروط ہوتی ہیں جو قائدین اور جماعتیں ایک مخصوص دور کی ضرورتوں کی ٹھوس نمائندگی کا دعوی کرتی ہیں وہ مقبول ومحبوب ٹھہرتی ہیں جبکہ باقی سب بشمول مذہبی جماعتیں جو نماز روزے کے پابند،دین و مذہب کے لیوا حکومت الہہ کے داعی عوام کی درگاہ سے دھتکارے گئے۔دہائیوں پہلے کی نیپ کہاں گئی؟غوث بخش بیزنجو کو کس نے یاد کیا؟؟مولا بخش دشتی کو کس نے پلٹ کر دیکھا؟؟؟حاصل و مالک بھی سالہا سال زندہ رہنے کے باوجود دنیا والوں نے ان سے مُنہ موڑ لیا ہے سردار عطااللہ مینگل کا ایک زمانے میں طوطی بولتا تھا،لیکن آج ان کا کوئی پرساں حال نہیں رہا ڈاکٹر حئی آج بھی چاک و چوبند ہیں ان کے قہقے آج بھی ان کے یاروں کے محفلوں میں بلند ہوتے ہیں لیکن سیاست کی وادیء خارزار میں ان کا کوئی مقام نہیں اسلم رئیسانی آج بھی زندہ ہیں لیکن سیاست میں وہ یوسف بے کاروان ہیں۔اوران کو غالبا اب کاروان کی تلاش بھی نہیں اسی طرح کی مقبول ومحبوب شخصیتیں اور جماعتیں اگر عوام کی آسوں پیاسوں کے لئے جد وجہد میں کوتاہی کرتی ہیں تو کل عوام ان کو دھتکارے دیں گے۔آخر انداز گاندھی کو یہ جمہور ہند نے دھتکارا تھا سو جاوید مینگل و بشیر عظیم ہوں یا دوسرے شخصیتیں معروضی حالات کی پیداوار ہیں۔اگر یہ معروضی حالات اور زمانے کے تضادات کو حل کرنے کے لئے جہد نہیں کرتی ہیں تو ان کی مقبولیت بھی قصہ پارینہ بن جائے گی۔مزید سیاست میں وراثت کوئی دائمی مسئلہ نہیں ہے خیر بخش خاندان کا تسلسل خود ایک جدوجہد کا تسلسل ہے وگرنہ اکبر خان کے جمیل بگٹی کو وہ مقبولیت کیوں حاصل نہیں ہوئی اور بغاوت ان کا ورثہ کیوں نہ ٹھہرا اس لئے قیادت وسیاست کی عمرانیات کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں یہ درست ہے کہ ترقی یافتہ اور صنعتی ممالک میں یہ عمرانیات مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوتی ہے اور ہمارے جیسے نیم قبائلی ونوآبادیاتی معاشرے میں اس عمرانیات کا طریق کار اور دائرہ عمل بالکل ہی مختلف ہوتا ہے۔سیاست میں نعروں کی بھی اپنی ایک اہمیت ہوتی ہے اور یہ نعرے اکثر اوقات سیاستدانوں کے پاؤں کی زنجیریں بن جاتی ہیں قومی حق خودارادیت جیسے محض کھوکھلے نعرے جب مقبول ہورہے ہوتے ہیں اور عوامی نفسیات ان کو قبول کرنے کی طرف مائل ہوتی ہے تو اس کے بارے میں لیڈر پوری طرح عمل اور ہوم ورک نہیں کرتے اس لئے وہ مقبولیتوں کے باوجود دشمن کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں تو اختر مینگل نے ہوم ورک کیا ہے؟ اور کیا وہ اسے باقاعدہ ایک منظّم تحریک کے الفاظ استعمال کئے ہیں اسٹریٹ فورس Street Force کے الفاظ استعمال نہیں کئے ہیں،اسی لئے اختر مینگل کو اپنے جدوجہد اور مستقبل کی ازسرنو منصوبہ بندی کرنی ہوگی۔عوام کی نفسیات اور ضرورتوں کے مطابق اپنے ہتھیار اور طریق کار وضع کرنے ہوں گے اور انہی کے مطابق داؤ پیچ کا تعین کرنا ہوگا مگر جو حال ہی میں اختر مینگل نے بیان دیا ہے جس میں قابض پاکستانی ریاست اور اس امر کے اداروں سے نرم گوشہ اور محبت کا عندیہ دیا ہے اس سے تو نکل گئی ہے وگرنہ وہ پاکستانی اداروں وان کے کھٹ پتلی عناصر کی ظاہر کرے گا اس سے بات چیت ہی ہوسکتی ہے اور ایسے عناصر کو ہم سے ڈرنے کی بھی ضرورت نہیں تو غالباً اسی سوچ کا نتیجہ ہے کہ عدلیہ کی پیٹھ پر تھپکی دے کر فوج سے کوئی نفرت اور چیف جسٹس اور پاکستانی اداروں کی کردار تمہارے سامنے ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ دانہ فوج چگنے کے لئے تیار ہے یا نہیں۔

اس پورے عمل میں اختر مینگل کا تمام مقبولیتوں کے باوجود کوئی آزاد کردار نہیں ہے اس کے پاؤں میں سب سے بڑا زنجیر عوام کا شعور ہے اختر مینگل کا باوا اس شعور کو کچھ دنوں تک قابو میں رکھنے میں بظاہر کامیاب ہوگیا تھا لیکن وہ 70 اور 80ء دہا

ئیاں تھیں اور بعدازاں اختر مینگل نے خود جا کر چاغی راسکوہ کے پہاڑی سلسلے پر متعدد ایٹمی دھماکوں میں دشمن پاکستان کی معاونت کر کے اپنے ہاتھوں اپنا راستہ تب بی این پی میں گروہی مفادات کے پیش نظر اس متعدد رہنما اپنا راستہ الگ کرنے لگے۔لیکن آج 2012 ہے عوام کا شعور کہیں پہنچ گیا ہے اور اختر مینگل کے ساتھ مکران دورے میں جو کچھ ہوا وہ ہمارے ذہن اور پڑھے لکھے طبقے کیلئے شعور نئے رویوں اور نئے انداز فکر کی غمازی کرتا ہے پھر یہی نہیں اس کے بعد عوامی حلقوں ،دانشوروں صحافیوں اور ریڈیکل انقلابی تنظیموں کی طرف سے ان کی پارٹی پالیسیوں اور کردار کے ردعمل میں جو تیز و تند تنقید اور نفرتوں کے لاوا اُگلے اور ان سے بی این پی کے کچھ لیڈران نے اپنے دامن بچانے کی بھی کوشش کی لیکن اس کے باوجود عوام تھے کہ پاکستانی سامراج مردہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے خود رد طریقے سے اقدام اٹھانے لگے۔یہ نئی حقیقتیں ہیں جن سے اختر مینگل کو نبرد آزما ہونا ہے لیکن اس کی ترتیب جو بھی تھوڑی بہت ہوئی ہے وہ اپنے باوا کے زوال کے دور میں ہوئی ہیں اور اس میں سیاست سے زیادہ جوڑ توڑ اور خوشامدیوں کا گھیرا تھا۔اس لئے اختر مینگل کیلئے سیاست کی وسعتیں سمٹ گئی ہیں اور محدود راہ عمل ہی رہ گئی ہے اور چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ خود احتسابی کے ساتھ ساتھ اپنے اردگرد روایت پسند سیاستدانوں کو نہ رکھتے بلکہ ہاتھ باندھے غلاموں کو تھپکی دیتے ان کی زبان پر پارلیمانی سیاست سے زیادہ قوم سے وفاداریوں اور قربانیوں کا نعرہ ہوتا اور اُٹھتے بیٹھتے ان کا نعرہ حرزِ جان ہوتا، بہرحال یہ کرشمہ، یہ جادو بلا کی کشش رکھتا ہے لیکن اس میں کچھ سخت مقام میں آتے ہیں جن کا فصیلہ وقت ہی کرے گا ممکن ہے مقبولیت کا کرشمہ کچھ دنوں ان پر حاوی ہوگا۔مقبولیت کے کرشمہ کی اپنی حدود ہوتی ہیں اور آج بڑھتے ہوئے شعور کے زمانے میں مقبولیت کے کرشمے کی حدود بھی سکڑتی جارہی ہیں اس لئے اس صورتحال اور معرب کی روز افزوں بدلتی پالیسیوں اور افغانستان واس خطے کی تازہ ترین صورتحال نے مقبولیت کے کرشمے کی حدود اور مدت کو اور بھی گھٹا دیا ہے اس لئے مقبوضہ بلوچستان میں محض لاکھوں افراد کی نگاہیں ان کی اقتدار پر براجمانی کے لئے نہیں ترس رہیں بلکہ غلامی و محکومیت جیسے سنگین انسانیت کے منافی بحران قومی بقاو غیرت کو آنکھ دکھائے کھڑی ہیں ان حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے گرد جمع ہونے والے حلقوں کو یہ سمجھ لینا چاہے کہ وہ کسی دھوکے وفریب میں مبتلا نہ ہوں کہ اختر یا دوسرے پارلیمانی سیاستدان اقتدار کی بے حس کنندہ کرسیوں پر پہنچ کر مقتدرہ اور سامراج کو اپنے پاؤں کی ٹھوکر بنا دیں گی ۔محکوموں اور غلاموں کیلئے ایسی کوئی بات نہیں کرنے کی۔

عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب۔۔۔اب جب تک اختر مینگل فکر بدل کر صحیح جمہوری وریڈکل بنیادوں پر اپنی پارٹی کو منظم نہیں کرتے اور سیاسی وسماجی تبدیلی کے تعلیم کا انتظام نہیں کرتے تو یہ سب مقبولیت کے کرشمے ہفتوں مہینوں میں دھرے کے دھرے رہ جائیں گے اور یہ تجزیہ آج ممکن ہے کہ قبول نہ ہو لیکن جس تیزی کے ساتھ عوام کے اندر بی این پی کے چھوٹے قد کے لیڈر اختر مینگل کی مقبولیت کے کرشمے کے بنیاد پر توقعات پیدا کررہے ہیں، اور ان توقعات کی بنیاد پر ہوائی قلعے بنائے جارہے ہیں۔ان سے خوف محسوس ہونے لگا ہے کہ کہیں اس غبارے سے وقت سے پہلے ہوا نہ نکل جائے۔

ایک طاقت ور فوج کو شکست دینے کیلئے کمزور فوج پر لازم ھے کہ وہ موافق علاقے کا بطور میدان جنگ بڑی احتیاط سے انتخاب کر لے اور اس کی پہلی شرط عوامی حمایت ھے۔ دوسری شرط دشمن کا کمزور ھونا ھے۔ دشمن کو غلطیاں کرنے کی تربیت دی جائے یا اس کی غلطیاں کا پتہ لگایا جائے۔

﴿مائوزے تنگ﴾

آزاد بلوچستان۔ وابے، واھگے، منزلے باریں چی یے؟

جوان بلوچ

مضمون لکھنے کے فوراً بعد ہی مصنف نے قلم زمین پر رکھتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ ہوا میں اٹھاتے کہا:

selfmy declareduphands my put had I am i that confessed had i because surrendered CONFUSE

''آزاد بلوچستان'' میری منزل ہے۔ شاید میرے مضمون کا یہ ابتدایہ جملہ، امریکی ایوان میں پیش کی جانے والی قرارداد کی گرما گرم بحث کے پیش نظر کچھ نقاد کے بیچ میری خوش فہمی کہلائی جائے یا بعض کے آگے اسے میری سیاسی ناپختگی قرار دیا جائے کہ جی مجھے آزادیِ بلوچستان کی راہیں نہایت سہل دکھائی دیتی ہیں اور میں نا بلد، بنیادی حقائق سے نا آشنا ہوئے اس خوش فہمی میں مبتلا ہوں کہ مجموعی طور پر اپنی کمزور حالت میں چلنے والی مزاحمتی تحریک خصوصاً سطحی سیاست (surface politics) کے باوجود بھی منزل کی صورت، بلوچ قومی ریاست جیسے ایک عظیم تصور کو حقیقت ہوتے دیکھ رہا ہوں۔ بہر حال میں اپنے ابتدائی سطروں میں ہی بیان کردہ اپنی طے شدہ منزل کے سلسلے میں یہ بات واضح کر دوں کہ ایسا کچھ بھی میرے دماغ میں نہیں بلکہ یہ مضمون خود خواب و منزل کے درمیانی فرق اور اُنکے بیچ کے سفر سے جڑی مختلف چیزوں کی وضاحت کرنے کے متعلق ہے، چونکہ منزل کا مفہوم عام لفظوں میں بیان کئے گئے کچھ حرفوں کی وجہ سے نا قابل بیان اگر نہیں تو اب تک پیچیدہ ضرور ہے۔ جسکے باعث منزل، کامیابی منزل و آشنائیِ منزل جیسے الفاظ ضو معنوں میں استعمال ہوتے موجودہ حالات کی صحیح تشریح کرنے سے قاصر ہیں۔ میں یہاں انکی جامع و مستند تعریفیں بیان کرنے کے بجائے محض اُس تعریف کو ہی بیان کرونگا جو میری سمجھ کے مطابق ''منزل'' کو بیان کرنے کیلئے کافی ہوں۔ میں منزل سے مراد اُس مقام یا پھر اُس لمحے کو لیتا ہوں کہ جس کی تشخیص کرتے مجھ میں کسی کامیابی (achievement) کا احساس بیدار ہوتا ہے، حتیٰ کہ عمومی طور پر لوگ منزل سے مراد کسی طے شدہ مقام پر حتمی طور پر پہنچ جانے سے لیتے ہیں جبکہ میرے لئے یہ ''کامیابی منزل'' کی تعریف ہے۔ ان دونوں تعریفوں میں بڑی حد تک مشابہت تو ضرور ہے مگر دونوں ایک نہیں۔ میری ذاتی سوچ کے مطابق منزل یا اُس مقام کہ جسے بطورِ منزل اور اتفاقات و حادثات کی تعریفوں میں بگاڑ آ سکتا ہے اور اس ضمن میں ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ اگر کسی قوم کو آزادی جیسی نعمت کا پیشگی شعور نہ ہو اور اُسے حادثاتی حوالوں سے قومی آزادی عطا ہوئی ہو تو یہ عین ممکن ہے کہ وہ اس نعمت کا منفی استعمال کرتے ہوئے دیگر اقوام کی آزادیوں میں خلل انداز ہو جائے! لہٰذا میرے لئے منزل وہی ہے کہ جسے میں بنا حاصل کئے بھی یا بنا اُس پر پہنچے بھی اُسکی شناخت و اُسے اپنے سفر کا مقصد بنالوں اور جُوں جُوں راستے میں بڑھتی میری پیشگی سے شناخت کردہ مصائب یا بہتریوں کا مجھے ادراک ہوتا جائے میں اُس وقت حقیقت سے قریب تر رہتے یہ اندازہ لگانے کے قابل رہوں کہ آیا میں اپنے مقررہ مقام کہ جس سے میں پہلے سے ہی آشنا ہوں، اُسکے کتنے قریب یا دور ہو چکا ہوں۔ میرے کس عمل سے میرا سفر کتنا طویل یا کتنا قلیل ہو سکے گا، اس مختصر سے بیان کردہ مگر گہری سوچ کا شعوری ادراک ہی ''آگاہیِ منزل'' یا ایک با شعور سیاسی رہبر و ورکر کے استعمال کئے گئے لفظ ''منزل'' سے ہے اور ویسے بھی انجانے ڈگر پہ چلتے، کسی ان دیکھے و بن سوچے مقام کو اگر ہم منزل تصور کریں تو خوش فہمیوں و اُمیدوں کو بیان کرنے میں کیسی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا اس کا اندازہ باخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

اس اثناء میں منزل کو خواہشات یا کسی طے شدہ ممکنہ کامیابی میں ابہام بھی ہمیں ایسے ہی مسائل سے دوچار کر سکتی ہے مثلاً کوئی آزادی کو منزل سمجھتے اگر خود فلسفہ آزادی کو سمجھنے میں مخمصے کا شکار ہو تو کیا یہ ممکن نہیں کہ اس ناسمجھی کی حالت میں منزل پہ پہنچنے والا ہر راہی اپنی ذاتی سمجھ کے مطابق آزادی کی تشریح کرتا اپنے حوالے و ذاتی آراء کی نسبت اس نعمت سے استفادہ لینا شروع کر دے؟ اور جب ہم بات مجموعی یا قومی آزادی کی کرنے لگیں اور ہماری منزل خود ناآشنائی کے کہورے میں لپٹی ہو تو بھلا کیا غضب ہو کہ ہم اپنی منزل پر پہنچتے بھی اپنے بیچ بیشتر کو مایوس اور بعض کو دل رنج کر دیں کیونکہ ممکن ہے کہ ہمارے بیچ کوئی قانون کا مجرم، قانون سے بالا دست ہو جانے کی اہلیت و طاقت پانے کو ہی اپنی آزادی تصور کرتا ہو اور اُسکے لئے یہی

آزادی ہو کہ وہ کیسے پہلے کی نسبت زیادہ سہل طریقوں سے جرم کر سکے اور جب آپ بھی اپنے مطابق اپنی آزادی حاصل کرتے اُسے روکیں تو ممکن ہے کہ وہ دوبارہ سے خود کو غلام تصور کرتے آپکی مخالفت پر اُتر آئے! ہم ان تجربات کا ثبوت پہلے ہی بی این ایم کے کسی اور پیرائے میں ہونے والی غیر رسمی تقسیم کے زمرے میں کر چکے ہیں کہ جہاں چند چیزوں کی ممانعت نے کچھ دوستوں کو ردعمل کے طور (reactionary even or responsively) پر بانی جماعت کے نام سے ہی علیحدہ جماعت قائم کرنے کا موقع دیا۔ میرے نزدیک یہ سب اسی لئے ہی ممکن ہو پایا کیونکہ راہبرانِ کارواں میں سے کچھ نے تو منزل سے متعلق کوئی خاص رائے نہیں دی اور کچھ نے لوگوں میں محض عجیب سی خوش فہمیاں پھیلاتے لوگوں کے نزدیک آزادی کو انفرادی حوالوں سے ہر وہ کام کی بلا تکلف عملداری سے تعبیر کرایا کہ جسے کرنے کا اُنکا من چاہے!

میں یہ خدشہ اس لئے ظاہر کر رہا ہوں کیونکہ عمومی طور سے بلوچ جہد آزادی کرنے والوں کے آگے جب کبھی بلوچستان کو خودمختار ریاست بنانے کی بات کی جاتی ہے تو لوگوں میں عموماً ترغیبِ جہد کی غرض سے ایسے خیالات ذی شعوری میں بیان کئے جاتے ہیں کہ جنکے تحت آزاد بلوچستان کے قیام کے بعد کام کرنے کی کسی حاجت کا نہ رہنا اور بعض دفعہ دیگر اقوام کو زیر کرتے، اُنہیں غلامانہ طرز سے کام لے سکنے کی نویدیں بھی سنائی جاتی ہیں۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ ہم خود ان پاکستانیوں کو نوکریاں دیتے پھریں گے یا اپنے وسائل پہ شیخیاں بگھارتے اُن سے استفادے کا کوئی منصوبہ واضح کرنے کے بجائے محض اس بات پر ہی قناعت کر لیا جاتا ہے کہ ہمیں اُن کی بدولت صدیوں تک آرام کرنے کا موقع نصیب ہوگا یا بعض دفعہ تو ہم اپنی حدیں تجاوز کرتے نادانستہ طور پر اپنے ہی جدوجہد (جو حتمی طور پر ہمارے سماجی و تہذیبی روایتوں کے فروغ کیلئے بھی ہے) کی بھی نفی کرتے خود اپنے ہی سماجی و تہذیبی روایات کو ترک کرنے کا اعلان کرتے خود کو عربوں کے حالیہ ادوار کی طرزِ زندگی اختیار کرنے کے خیالات کو عام کرتے دکھائی دیتے ہیں، بڑے ہی فخریہ انداز میں یہ کہا جاتا ہے کہ ہم عربوں جیسے ہو جائینگے! ایسے خیالات و تصورات کا سُن کر بعض دفعہ محسوس ہوتا ہے کہ نیز عیاشی، فرصت، آرام و تفریح کے تمام تر آلات و وسائل کے حصول کا نام ہی ''بلوچ قومی آزادی'' ہے، جبکہ نظریاتی جدوجہد کرنے والی تحریکوں میں ایسی ناپختگی قطعی برداشت نہیں کی جاتی اور ایسا بھی نہیں کہ وہ چیزوں کو اپنے عوام کے سامنے (Idealize) کرتے پیش کرنے کے خلاف ہیں مگر وہ محض (Fantasies) بھی نہیں کیا کرتے، جیسا کہ امریکی قرارداد کے بعد سے آج تک کہا جا رہا ہے۔ ایسے حالات میں تو قومیں ایک achievement کا مزہ چکھنے کے بعد اُسکی عادی ہوتے اپنی منتشر طاقت کو یکجا کرتے، مختلف طاقتوں کو اپنی جانب مدعو کرنے کیلئے، عملی میدان میں اترتے، عالمی طاقتوں کو اپنے قومی خواہشات سے آگاہ کرنے کے اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھاتی ہیں۔ جسکی مثال خود بلوچ سیاست میں نواب اکبر کے بنگلہ دیش میں انڈین آرمی کی مداخلت کی حمایت میں ریلی نکالتے بھارتی فوج کی توجہ اپنی طرف مدعو کرنے سے مل سکتی ہے۔ مگر آج کے حالات دیکھتے تو محسوس ہوتا ہے کہ سطحی سیاست کرنے والے ہمارے رہبر اس قدر ناپختہ ہیں کہ وہ اب بھی پریس کلبوں کے باہر کھڑے رہتے، ایک ہی مطالبے کیلئے احتجاج کرنے کیلئے اپنی اپنی الگ باری کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں! مقصد اس قدر احمقانہ رویہ ہے ہمارا کہ ہم خود ہی اپنے اعمال سے دنیا کو یہ پیغام دے رہے ہوتے ہیں کہ ہم دنیا کی طاقتوں سے اپنی قومی آزادی جیسے عظیم مطالبے پر متفق ہوتے بھی ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی صلاحیت سے عاری قوم ہیں! جبکہ اس لمحے آزادی پسند سیاسی تنظیموں کا یہ کام ہونا چاہیے تھا کہ وہ بھرپور اتحاد کا مظاہرہ کرتے ''آزادی'' کیلئے لوگوں کو شعوری طور پر تیار کرنے اور ہر قربانی دینے کیلئے مربوط سائنسی انداز میں کام کرتے وہ ایک امریکی بیان و قرارداد کو بنیاد بناتے عوام کے جذبات سے کھیلنے کے بجائے اُنکے سامنے ایسے جذبات کے وجوہات و اُنکے صحیح و پُر اثر اظہار کیلئے اُنکی رہنمائی کرتے۔ دنیا کی دیگر تحریکوں کا مطالعہ کرتے ہم دیکھتے بھی ہیں کہ کیسے تحریک میں موجود سیاسی ورکرز کسی achievement کو اپنے مفاد میں کیش کرتے لوگوں کو متحرک کرتے ہیں اور عموماً ایسے واقعات کو سیاسی جمود کے خاتمے کے طور پر استعمال کرتے متحرک لوگوں کا ایک ہجوم پیدا کر دیا جاتا ہے جیسے فلسطین میں حتیٰ کہ کم اہمیت کی حامل سیاسی کامیابی کو بھی اپنے نظریاتی مفاد کی خاطر استعمال کرنے کیلئے لوگوں کو متحرک کر دیا جاتا ہے۔ وہاں کی مسلح تنظیموں میں سالانہ کتنے ہی لوگ خودکش بمبار کی صورت تیار ہونے کیلئے اپنا نام لکھواتے ہیں مگر بعض کو محض اس لئے نہیں لیا جاتا کہ اُن میں adventure و frustration کے عنصر کو دیکھا جاتا ہے جبکہ یہ تنظیمیں متحمل ہوتی ہیں ان committed کارکنان کو ایسے کاموں

کیلئے تیار رکھنے کی جو اپنی غلامی کا شعوری طور سے ادراک کرتے اپنی جان کی قربانی دیئے جانے کو اپنا فرض سمجھتی ہو۔

بہر حال میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے بیچ ایسی ناپختگی کی اصل وجہ ہمارا خود اپنی منزل کا حتمی ادراک نہ کرنے کے سبب ہے اور شاید ہم میں سے زیادہ تر افراد اپنی نجی ذمہ داریوں سے راہ فرار اختیار کرتے بلوچ سیاست میں آ گئے ہوں کیونکہ ہمارے سیاسی رویے کو دیکھتے مجموعی حوالوں سے یہی لگتا ہے کہ ہمیں نہیں پتہ کہ آزاد بلوچستان کی قدر و قیمت کیا ہے؟ اُسکے سیاسی سماجی و معاشی فوائد کیا ہیں؟ ہم نہیں جانتے کہ قومی تشخص کو برقرار رکھنا، قومی ریاست کا حصول یا آزادی پانا کس قدر ضروری ہے؟ ہمیں اندازہ ہی نہیں کہ ہم غیر سائنسی انداز میں سیاست کرتے غیر منظّم ہوئے اپنی کمزور پوزیشن کے باعث دشمن کو کتنا وقت و موقع دے رہے ہیں کہ وہ ہمیں کس قدر قیمتی نعمت سے محروم کر دے۔ ہم جسے منزل کہتے ہیں نہ تو ہمیں اُسکی قدر کا اندازہ ہے اور نہ ہی ہم اُسے پانے کو مجموعی حوالوں سے اس قدر بے چین ہیں کہ ہم اُسے پانے کے حقیقی راستے تلاشیں اور میں یہاں منزل سے مراد آزاد بلوچستان کے قیام ہو جانے کی حتمی صورتحال یا اُسکے بعد کے حالات کا تذکرہ نہیں بلکہ اُسکے حصول کی جدوجہد کے دورانیے کو بھی اسمیں شامل کرتا ہوں کیونکہ میرا ماننا ہے کہ منزل تک پہنچنے کی جدوجہد ہی اگر غیر سائنسی و بے نتیجہ ہوئی تو متوقع منزل، منزل نہیں بلکہ ایک خواہش یا منفی معنوں میں ایک وہم ہوتا ہے اور یہ نہایت قابلِ افسوس بات ہے کہ ماسوائے حیر بیار مری کے ترتیب دیئے گئے چارٹر آف لبریشن جیسے دستاویز کے کوئی بھی سیاسی جماعت یا اُنکا دانشور حلقہ اس موقف کی کوئی (convinceable) وضاحت نہیں دے پایا کہ وہ آزاد بلوچستان کے حصول و اُسکی آزادی کے بعد کے حالات کے متعلق کیا رائے یا پروگرام ترتیب دے چکا ہے؟ حالانکہ اس زمرے میں بحث تو سب کرتے ہیں کہ موجودہ دور میں Freedom Absolute ملنا خاصا گراں ہے اور قومیں اپنی آزادی کے سلسلے میں اپنے وسائل کی تشہیر کرتے Force Market کو اپنا شریک دار بنانے کیلئے مدعو کرتے ہی اُنہیں اپنی قومی آزادی حاصل کرنے کا ذریعہ بناتی ہیں مگر اس ضمن میں ہم کسی ایسی دستاویز سے یہ ثابت ہی نہیں کر پائے کہ اپنی آزادی کیلئے دنیا کی کس طاقت سے کیا معاہدات کر سکنے کو راضی ہیں۔ صرف اس درجے پہ نہیں، آپ سیاسی طور پر اپنی تیاری تک کے حوالے سے کسی جماعت سے پوچھ لیں کہ آپ خود اپنی جماعت کے نظریے کو فروغ دینے کیلئے کن مربوط طریقوں پر کاربند ہیں؟ اور اگر کوئی ان منصوبوں و پروگراموں کی تکمیل کے سلسلے میں آپکا ساتھ دے تو کیوں؟ یا آپ کسی بھی انقلابی پارٹی کے ایک ادنا سے کارکن سے لیکر اُسکی top leadership سے بھی کہیں اُٹھ کھڑے ہوئے یہ سوال کر دیں کہ میں آپکا ساتھ کیوں دوں تو وہ یا تو کچھ جذباتی نوعیت کے جملے کہتے مدد کی پکار لگاتے آپکو دکھ جائیں گے یا پھر وہ مجموعی حوالوں سے بلوچ دلیری و بہادری کا فلسفہ بیان کرتے بلوچ سورماؤں کی مثالوں کا ایک انبار آپکے سامنے رکھتے آپکو اُنکے مشابہے ہونے کی تلقین کرتے ہیں گو کہ ان سورماؤں نے بھی کبھی اُنکی جماعت میں شمولیت نہیں کی مگر پھر بھی آپ سے اُن جیسا بننے کے بعد اُنکا ساتھ دینے کی توقع کی جاتی ہے اگر آپ کبھی اُن جیسا ہی جذباتی رویہ اختیار کرتے اُن پر سوالات کا مزید تیر چلاتے اُنکے مزاحمتی تحریک کو درپیش مسائل کے حوالے سے بین الاقوامی طاقتوں پر اُنکی رائے جاننا چاہیں تو وہ آپکو محض اپنی خواہشات کا اظہار کرتے نظر آئیں گے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ محض اپنی خواہشات کے اظہار کرنے واسٹیج پر تقریر کرتے عموماً ہمارے سیاسی قائدین امریکہ و دیگر استعماری طاقتوں کو یوں تہہ و بالا کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ جیسے کوئی جلیبیاں تل رہا ہو۔ ان مقررین میں تو بعض ایسے اشخاص بھی ہیں کہ جو اپنی پارٹی کے واحد سیاسی مرکز میں بھی عام طور سے جانے نہیں جاتے یا پھر اتنی بھی سیاسی طاقت نہیں رکھتے کہ وہ وہاں منشیات کے خلاف ایک مہم بھی چلا سکیں۔ چین کی پاکستان کی پشت پناہی و بلوچستان پہ اُسکی قبضہ گیریت کو سہل کرنے کیلئے ترقیاتی پروگراموں کے نام پر اُسکی کالونلائزیشن کی پالیسیوں کو کاؤنٹر کرنے کیلئے اگر ان سیاسی قائدین سے اُنکے سیاسی پلان کی بابت کچھ پوچھا جائے تو وہ جذبات کی رو بہہ کر اپنے فرائض سے مبرا ہوتے ساری ذمہ داری محض سرمچاروں کے کندھوں پہ ڈال کر چین جیسی اُبھرتی استعماری طاقت کو اس طرح زیر کر جاتے ہیں کہ گویا چین تو اُنکی وہ چپاتی ہے کہ جسے وہ ہر صبح اپنے توئے پر لگانے سے قبل ہوا میں اُسے دس بار اچھال کر گھماتے ہوں، کہیں اگر نیٹو پر بحث چھڑ جائے تو وہ نیٹو کے ساتھ ''میٹو'' کی کوئی اپنی تخلیق کردہ اصطلاح لگا کر اُسے یوں اپنے سامنے کمزور ثابت کرنے کی حتمی کوشش کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ گویا نیٹو ممالک کا اتحاد نہیں بلکہ شبیر و بشیر یعنی دو انفرادی لوگوں کا گٹھ جوڑ ہو کہ جنہیں اپنی چوکٹ سے لات مار کر بھگانا کوئی بڑی بات ہی نہیں۔ ان جیسوں کے بیچ افغانستان و ایران

بحیثیت بلوچستان کے ہمسایہ ممالک کے موضوع بحث کے بھی لائق تصور نہیں کئے جاتے کیونکہ بلوچوں کی اگر کوئی ایک ادنا تنظیم ہی امریکہ کو لوہے کے چنے چبا سکتی ہے تو پھر ایران کی بھلا کیا مجال جو مجموعی طور پر بلوچ سیاسی حلقوں سے بیر رکھتے ہوئے اپنا قبضہ برقرار رکھے۔

صرف یہی نہیں اس ضمن میں آپکو ہر جگہ محض خواہشات کے اظہار سے ہی مطمئن کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بلوچ نیشنل فرنٹ کے نام سے جب ان انقلابی جماعتوں کا ایک اتحاد سامنے آیا تو ہم دیکھتے ہیں کہ عوامی اُمنگ کے تحت جب ان جماعتوں کو بلوچوں کی واحد انقلابی جماعت بننے کیلئے دباؤ کا سامنا ہوا تو بغیر کسی سیاسی پلان کے ایک جماعت کے قائد نے اس دباؤ کا تدارک سیاسی منصوبہ بندی کے بجائے محض اپنی خواہشات پہ تکیہ کرتے عوام کے سامنے اپنے طرز کی دوسری جماعت سے مدغم وانضمام ہونے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس اثناء میں ہم نے یہ بھی دیکھا کہ دوسرے ہی دن اخبارات میں ایسے متعدد آرٹیکل شائع ہوئے کہ جس میں سے بیشتر نے نہ صرف اس اتحاد کی مخالفت کی بلکہ متوقع اتحاد میں شامل ہونے والی جماعت کے سنیئر عہدیداران پر نہ صرف اپنے تحفظات کا اظہار کیا بلکہ اُن پر الزامات بھی عائد کیں، یعنی ایک طرف انضمام تو دوسری طرف انتقام کی نیت واضح تھی جو خود اُس جماعت میں موجود واضح دھڑہ بندی واس انضمام سے متعلق کسی بھی پلان کی عدم موجودگی کا ثبوت تھی۔

سیاسی حکمت عملی کا نہ ہونا یا چیزوں کو غیر سیاسی انداز میں کرنے کی یہ واحد مثال نہیں۔ آپ اس کا تاثر کہیں بھی لے سکتے ہیں۔ آپ ہمارے احتجاج دیکھ لیں، ہمارا سیاسی رویہ پرکھ لیں، ہماری کسی بھی چیز میں نہ تو کوئی ربط ہے اور نہ کوئی منصوبہ۔ متوقع پُرتشدد موقعوں پر ہم پُرامن سیمینار کرتے دکھائی دیتے ہیں اور اُس سیمینار میں بھی ہم سوائے قرآن پاک کی تلاوت کے کوئی ایسی چیز نہیں کر پاتے یا بد قسمتی سے نہیں کہہ پاتے کہ جو قابل غور یا پھر تربیت کے لائق ہو۔ ہمارے یہاں اچھا مقرر وہی ہے کہ جو جوشیلی تقریر کرتے ہماری ناکامیوں وخامیوں کو اپنے غیر ضروری اصطلاحوں کی اُوٹ میں چھپاتا ہمیں ہمارے عیوب سے پاک کردے تاکہ ہم غلامی کی زندگی گزارتے شرمندگی کے اس مقام سے فرار ہوتے پُرمسرت ہوکر تالیاں بجاسکیں۔ تربیت کے ایسے فقدان کے باوجود ہمارے سیاسی قائدین اس مسئلے پہ پریشان ہوتے کوئی جامع منصوبہ بنانے کے بجائے آپکو عموماً اس مسئلے میں اُلجھے دکھائی دیتے ہیں کہ فلاں پروگرام کس نام یا کس کے نام سے کیا جائے۔ یہ انتہائی شرمندگی کی بات ہے کہ ہم نے اپنی تمام تر سیاسی سرگرمیوں (political activities) کو پریس کلب میں کھڑے رہتے زندہ باد مردہ باد پہ مرکوز کرنے جیسی نااہلی کرنے کے باوجود خود میں اتنی اہلیت بھی پیدا نہیں کی کہ ہم کم از کم اسے ہی اہلیت سے کر پائیں۔ جو شخص ہمارا بینر لئے کھڑا ہوتا ہے وہ خود نہیں جانتا کہ اس پہ درج جملوں کے کیا معنی ومقاصد ہیں،

بعض دفعہ تو ہم اتنی احمقات کر جاتے ہیں کہ وہ جملے کہ جنہیں لوگوں کو اس احتجاج میں مدعو کرنے کیلئے لکھے گئے تھے ہم اُنہی جملوں کو ہی اپنے احتجاجی بینر پہ درج کرتے ہوئے پریس کلب پہنچ جایا کرتے ہیں ہمارے یہاں آئیڈیولوجیکل (نظریاتی) تضادات کو رام کرنے کا آسان راستہ یہی ہے کہ مخالف جماعت ہمارے کسی سیاسی کارکن کے کسی اخباری بیان کی تعریف کردے۔ ہمارے یہاں کا منجھا ہوا ایک سیاسی ورکر جو پہلے تو کھلے عام BNP کی مخالفت کرتا ہے مگر اُسکے کسی ایک بیان کی تعریف اگر ڈاکٹر جہانزیب جمالدینی کردیں تو وہ صاحب دوسرے ہی دن تمام نظریاتی اختلافات بھلاتے BNP واپنی جماعت کی اتحاد کی راہیں تلاشتے طویل سا ایک آرٹیکل لکھ جاتے ہیں۔ ہمارے یہاں اگر کوئی سیاسی لٹریچر پہ مبنی کوئی کتابچہ چھپتا ہے تو دوسرے ہی روز اُسی ادارے کا ہی بیان خود اپنے ہی بنائے کتابچے کی تعریف میں آجاتا ہے۔ جس میں وہ تپاک کیساتھ خود کو ہی مبارکباد دیتے یہ حوصلہ بھی خود کو بہم پہنچا رہے ہوتے ہیں کہ وہ مزید ایسے کارنامے کر دکھائیں۔ جب مضحکہ خیزی کی کوئی حد نہیں رہتی تو یہی صاحب اپنے خود کے چھاپے کتابچے کی بابت ایک اجلاس بھی طلب کرتے ہیں اور پھر اُس اجلاس میں خود

ہی اس بات کا بڑی سختی سے نوٹس لیتے ہیں کہ اُن کے تخلیق کردہ اس شاہکار میں کیوں فلاں کمی واقع ہوئی! حالانکہ کتابچہ اُنکا اپنا لکھا، اُسمیں موجود مضامین اُنکے اپنے انتخاب کردہ، حتیٰ کہ کتابچے کی چھپائی واُسکی تقسیم تک اُنہی کی سربراہی میں ہوئی ہوتی ہے۔

اسی ایک مثال سے ہی اس چیز کا اندازہ ہوجاتا ہے کہ ہم سب نے ملکر پاکستانی سیاست میں ڈرامہ، ڈھونگ، شعبدہ بازی وخودنمائی جیسی اخلاقی برائیوں کو کیسے بلوچ سیاست میں جگہ دے رکھی ہے۔ پاکستان جو خود ایک

(state revolutionary-Counter) انقلاب مخالف ریاست ہے۔ بھلا اُسکے سیاسی کلچر سے متاثر ہوتے اُسکے سیاسی صفات خود میں سموتے ہم کیسے انقلابی لوگ پیدا کرسکیں گے؟ اور حال بھی دیکھ لیجئے ہمارے لوگوں کا کمٹمنٹ لیول، اُنکی تحریک سے وابستگی کی وجوہات اور نظریاتی ہونے کی قیمت کیا ہے؟ کوئی لاکھ باتیں کہے، مگر مجموعی حوالوں سے ایک عام سیاسی ورکر کا اپنے نظریے سے وابستگی ہیچ ہے۔ ہمارے عام ورکرز کا کمٹمنٹ لیول یہ ہے کہ ہم ایک دو ٹکے کی نوکری کرتے خود اپنے سابقہ انجام دیئے ہوئے اعمال کی خودنفی کرنا شروع کر جاتے ہیں۔ ہمارا سیاسی کیڈر، ہاسٹل کے ایک کمرے سے لیکر بینک میں ملنے والی ایک نوکری کی محض اُمید پر ہی اپنے ہزاروں ساتھیوں کی شہادت کو فراموش کرتے اُنکے لہو پہ قدم رکھتے CSS کے امتحانات دینے پہنچ جاتا ہے۔ ہمارے یہاں پارٹیوں کے کونسل سیشن کے بعد پارٹیوں کو مزید مضبوط ہوتے دیکھنے کے بجائے اُنکے ٹوٹ جانے اور مختلف دھڑوں میں تقسیم ہوجانے کی روایت عام ہے۔ ہمارے یہاں اب تک کہ بنے سب سے بڑے ہمارے سیاسی اتحاد کا یہ عالم تھا کہ اُنکے قائدین کے درمیان بھی کوئی ہم آہنگی و ذہنی قربت نہیں پائی جاتی تھی۔ ارے صاحب اسے تو ذلالت کہہ دیجئے کہ ہمارے یہاں اہم سیاسی قائدین کی بے رحمانہ شہادت کے بعد بھی ہماری طرف سے ایک جٹ ہوتے کوئی لائحہ عمل طے کرنے کے بجائے ہم اس بحث میں الجھ کر لڑتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ اُن قائدین کے نام کی اسٹیکر و پوسٹر کی اشاعت کا حقدار کون رہے گا؟ اور اس معاملے ہم اس قدر بے شرم رہے ہیں کہ ہم نے اس ضمن میں باقاعدہ اخباری بیانات تک دے ڈالے ہیں! ہمارے سیاسی جماعتوں کے جن کا اہم مقصد mobilisation mass ہے اُنکا یہ عالم ہے کہ اگر اُنکے کسی قائد کے اغواء و گمشدگی یا پھر شہادت پر بھی احتجاج کو پُر اثر بنانے کیلئے ہم اتحاد کی شکل میں کوئی احتجاج کریں تو بامشکل ہم سے سو سے زائد لوگ جمع ہو پائیں۔ غرض کہ ہم ڈسپلن، ادارہ سازی، ذہن سازی و سیاسی تربیت جیسی اہم سیاسی چیزوں پہ کاربند ہونے کے بجائے غیبت، الزام تراشی، شعبدہ بازی و اپنی خودنمائی جیسے اخلاقی برائیوں میں مریضانہ حد تک گھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ میری یہ سب تنقید کچھ افراد کیلئے برداشت سے بالاتر ہو مگر آج اس مضمون کے توسط میں اُن لوگوں کی اس طمانیت کو ختم کردینا چاہتا ہوں کہ جو یہ کہتے ہوں کہ اُنہوں نے آزادیِ بلوچستان کی راہیں تلاش لی کیونکہ آج تک ہم اُنہی کمزوریوں کیساتھ اُسی ناتواں جسم کا بوجھ اُٹھائے دشمن سے برسرپیکر ہیں، اگر آج کچھ بہتر بھی ہیں تو اُسمیں politics surface کرنے والوں سے زیادہ غیر مرئی تبدیلیوں یا پھر مسلح تنظیموں کا کردار ہے مثلاً اگر آج آزادی کا شعور یا اسکی آگاہی پہلے کی نسبت زیادہ ہے تو اُس میں یا تو سرمچاروں کی زائد محنت و قربانی ہے یا پھر ٹیکنالوجی کے سہل ہونے کے باعث یہ ممکن ہو پایا جبکہ ہمارے سیاسی طریقہ کار اب تک پہلے کی طرح ہی دقیانوسی ہیں۔ اب تک پہلے کی طرح ہی اپنے نا موافق حالات کو تبدیل کرنے میں ناکام ہی رہے اور محض ان غیر مرئی تبدیلیوں کو ہی اپنی کامیابی تصور کررہے ہیں، اُن تبدیلیوں کو کہ جن میں ہمارا کوئی کردار نہیں اور بے فکری کا یہ عالم ہے کہ ہم یہ بات بھول جاتے ہیں کہ ان تبدیلیوں سے اگر ہمیں فائدہ پہنچا ہے تو دوسری جانب دشمن بھی ان سے مستفید ہوتا زیادہ طاقتور ہو چلا ہے۔ لہٰذا اگر حالات کا تجزیہ کریں تو وہ پہلے کی نسبت زیادہ پیچیدہ ہو چلی ہیں۔ نہیں معلوم کہ کیوں ہم اب تک تبدیلی لانے کو خود اپنے تخلیقی صلاحیتوں کو اجاگر نہیں کر پاتے؟ نہیں معلوم کہ ایسا کیوں ہے کہ ہم تخلیقی ہونے کے بجائے مجموعی حوالوں سے محض بنی بنائی یا کسی کی ہم پہ تھوپی ہوئی چیزوں کو یا نظریات کو بس (adopt) اپنا لیا کرتے ہیں۔ ہمارا کردار چیزوں کو محض (Consume) کرنے کی حد تک ہے، اب چاہے وہ افکار ہوں یا سیاسی طریقہ کار۔ بلوچستان کی آزادی کیسے اور کیونکر؟ جیسے اہم سوالات کے جوابات تک ہم محض دوسروں کے افکار ہضم کرتے ایک ڈکار کی صورت بیان کرنے لگتے ہیں۔ آپ ہمارے دانشوروں سے یا ہمارے علمی دوستوں سے آزادی کے حصول پر سوالات کیا کریں تو وہ خود اپنی تخلیق یا علمی تحقیق و آراؤں کے بجائے محض آپکو مغربی ممالک کے تجزیہ نگاروں کے حوالہ جات سنایا کرتے ہیں۔ جو عموماً بلوچ قومی آزادی کے لئے بیرونی قوتوں کے پاکستان یا پھر بلوچستان میں مداخلت (intervention) سے کیا کرتے ہیں یا بعض پاکستان کو اپنے ہی تضادات کی آگ میں جلتا دیکھ آزاد بلوچستان کے وجود کا ایلہ بیان کرتے دکھائی پڑتے ہیں۔ کیا یہ قابلِ افسوس بات نہیں کہ خود بلوچ یہ بتانے سے قاصر ہے کہ وہ اپنی آزادی کیسے لے گا یا پھر وہ محض اپنی آزادی کے متعلق یہ بتائے پھرتا ہے کہ اُسکی آزادی کیلئے کوئی بیرونی طاقت کہ جس سے اُسکا دور تک کوئی ناطہ نہیں مصروف عمل

ہے یا اُسکی آزادی اُس نے مشروط کر رکھی ہے اس بات پر کہ کب اُسکا دشمن اپنی غلطیوں سے تباہ ہو!

سچ میں اس زمرے میں بلوچ قوم کی جانب سے چارٹر آف لبریشن ہی پہلا وہ باضابطہ سیاسی دستاویز ہے کہ جس میں فقط لفظ ڈیموکریٹک بلوچستان سے ہی متعدد پیچیدہ سوالات وخدشات کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ ذاتی حوالوں سے میں اس عمل کو امریکن قرارداد سے بھی بڑی سیاسی کامیابی سمجھتا ہوں کیونکہ ہمارے یہاں تو تمام انقلابی جماعتیں تجزیاتی حوالوں

سے اس نوعیت کی بحث کو لیتے پچھلے ساٹھ سالوں میں بھی اپنا کوئی واضح موقف بیان نہیں کر پائے ، شاید وہ خوب جانتے تھے یا جانتے ہیں کہ ایسے موقف کی وضاحت کرنے سے قبل اپنی قابلیت سے نا مواقف حالات کو بدلنے کی صلاحیت خود میں پیدا کرنا ناگزیر ہے۔ لہٰذا آج تک نہ خود میں قابلیت وصلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی اور نہ ہی اس متعلق کچھ

سوچا گیا سو موقف بھی وہی اختیار کیا گیا جو مختلف طاقتوں کے ذریعے بھیجا گیا۔ اس لئے ہم دیکھتے بھی ہیں کہ ہمارے یہاں ایک سلیگ ہیرسن ، بلوچستان کی آزادی کے موقف کیلئے اتنا کوڈ کیا جاتا ہے کہ جتنا شاید تبلیغ کرتے مولوی احادیث کو ڈنہیں کرتے ،قومی غلامی سے جڑے افکار میں محض فینن کی ایک کتاب ہے جو ازل سے ہماری بائبل سمجھی جاتی ہے حتیٰ کہ حقیقی بائبل میں بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ترامیم ہوگی۔ اس سب کی وجہ یہ نہیں کہ فینن یا سلیگ ہیرسن ہی فقط وہ تحقیق کار یا لکھاری ہیں کہ جو مظلوموں کیلئے علمی حوالوں سے کچھ لکھتے ہیں ، درحقیقت مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے خود اب تک ایسا کچھ تخلیق یا تحقیق نہیں کیا کہ جو ہمارے حالات و حقائق کے مطابق قابلِ مطالعہ اور قابلِ یقین و بھروسہ (convincable) ہو۔ ہم نے خود تو جیسے کچھ کرنا ہی نہیں اس لئے ہی ہم نے سیاسی میدان میں اپنے لوگوں کی صلاحیتوں کی افزائش پہ کبھی غور نہ کرتے اپنی تمام تر کامرانیوں کی ذمہ داری سرمچاروں یا پھر دیگر عالمی طاقتوں کو ٹھیکے پہ دے رکھی ہے۔ لہٰذا ہم نے اپنی سیاسی سست روی و ناکامیوں کے سبب اپنی آزادی کا موقف بھی ہر نئے ٹھیکیدار کے مزاج سے مماثل رکھا جس کے باعث ہمارے عام ورکرز کی سطح تک نظریاتی الجھنیں پیدا ہوئی مثلاً کل تک ہمارا ورکر سُرخا تھا مگر اب وہ ایک قرارداد کی امریکی گھاس چرنے کے بعد امریکن حمایتی ہو گیا۔ انہی باتوں سے واضح ہے کہ ہمارا مقررہ معیار محض طاقتوں کا ہماری تحریک متعلق حمایت ہے اور اگر واقعتاً ایسا ہے تو پھر کیوں اُسکی واضح راہیں نہیں متعین کی جاتیں؟ ہم کیوں اپنے ورکرز کو بے ڈور پتنگ کی مانند انہیں ہوا میں چلنے والی رجحانات کے تحت یہاں وہاں بھٹکنے دیتے ہیں ؟ حالانکہ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ مغرب ، ابلاغ پہ اپنی مضبوط گرفت کے باعث ایسے بیسیوں مضامین وکتابوں کی اشاعت محض اپنے مقاصد حاصل کرنے کی خاطر لوگوں کی آرائیں جاننے یا انکا ردعمل دیکھنے ومشاہدہ کرنے کیلئے بھی کر سکتا ہے مگر پھر بھی ہم اُنکی جانب سے چھپے ایک کتاب یا مضمون تک کو اُنکی ریاستی خواہش و پلان کا حصہ قرار دے کر خود اپنی آزادی کا ایلہ اپنی بدولت کرنے کی جستجو سے دستبردار ہوتے دکھائی دیتے ہیں! حتیٰ کہ ہمیں چاہیے کہ ایسی کامیابیوں سے ہم اپنا confidence بحال کرتے زیادہ سے زیادہ آگے بڑھیں آج جہاں امریکی ایوانوں میں موجود چند لوگوں نے ہمارے لئے چند ہمدردانہ جملے کہے ہم اُنکی بھر پور تشہیر کرتے دنیا بھر کی دیگر طاقتوں کو بھی اس مسئلے کی سنجیدگی پر غور کرنے کیلئے مدعو کر سکتے ہیں اور ان تمام کیلئے ضروری نہیں کہ ہم طاقت کا مظاہرہ کرتے گلی کوچوں میں نکل آئیں مگر ہم منظّم انداز میں دنیا بھر کے صحافیوں ، ادیبوں ، سفارتکاروں ، انسانی حقوق کے اداروں کو بلوچستان کے حالات اور بلوچ قوم کی اُمنگ کے بابت آگاہ کر سکتے ہیں۔ میرے نزدیک ہم خود اپنے سماج کا تجزیہ کرتے اپنے لوگوں کی آگاہی واُنہیں منظّم کرنے کی بہتر کوشش کر سکتے ہیں اور یہ اُسی وقت ممکن ہوگا جب ہم آپسی انتشار کی راہیں روکتے اپنی لاعلمی کو دھتکارتے سخت محنت کرنے کو راضی ہوں اور اُن راہوں سے خود معروف ہونے کی جستجو کریں جو ہماری آزادی وآزادی کے بعد قومی ترقی کی منازل کی طرف جاتی ہوں ، ہم تجرباتی ہی سہی مگر اپنے مسائل کی تشخیص واُنکے حل ڈھونڈ نکالنے کیلئے اگر خود پُرعظم ہوئے تو اپنی سمت صحیح کرتے ہم وہ سیاسی کامیابیاں حاصل کر سکتے ہیں کہ جس کے نزدیک آج کی یہ امریکی قرارداد کم اہم محسوس ہونے لگے اور بے شک قومی آزادی جیسی بیش قیمتی نعمت کیلئے یہ کامیابیاں کم ہیں۔

اس مضمون کا مقصد درحقیقت یہ واضح کرنا ہے اگر آپ کو اپنی منزل کا ادراک ہو تو آپ کو وہاں تک پہنچنے کی راہیں تلاشنے کی جدوجہد محض اس طمانیت کے سبب نہیں ترک کرنی چاہیے کہ آپکی منزل کے حصول کیلئے کوئی اور بھی بے چین ہے ، یوں آپ لاشعوری طور پر اپنی حقیقی ذمہ داریوں سے راہ فرار اختیار کر جائیں گے اور تمام

ذمہ داری بیرونی قوتوں کے کندھوں پر لاد کر خود قوت بننے کے قابل نہ رہیں گے، مزید برآں اس مضمون کی توسط سیاسی کارکنان پر تنقیدی نقطہ اُٹھانے کا مقصد اس تعمیری سوچ کو پروان چڑھانا ہے کہ ہمیں اپنے منزل کی صحیح تصویر کا عکس اپنے ہر عمل سے ظاہر کرنا ہوگا۔ اگر آزاد بلوچستان واقعتاً ہم سب کی منزل ہے تو یہ بات ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے منزل کی قدر و قیمت سمجھتے خود میں اُن انقلابی اقدار کو کوٹ کوٹ کے بھر دیں جو دیگر کو ہمارے فلسفے و افکار سے متاثر کرتے ہمارے ہم راہ ہو جانے کا قائل کر دے جبکہ ایسے سخت لمحوں میں بھی ہم نے منتشر ہوتے، آگاہی منزل کے باوجود بھی وہاں تک پہنچنے کی صلاحیت پیدا کرنے کیلئے سنجیدگی نہیں دکھائی اور یہ سب لکھنے کا مقصد تنقید سے زیادہ تمام سیاسی جہدکاروں سے یہ گزارش کرنا ہے کہ وہ اپنی قدر قم سمجھتے اپنی ذمہ داریاں سرمچار یا چیدہ چیدہ رہبروں پہ لادنے کے بجائے خود بھی اپنا کردار پختہ کرنے کی محنت کریں، یقین کیجئے آپ اُن عظیم سرمچاروں جتنے عظیم ہو اور آپکو بھی آزادیِ بلوچستان کی خاطر ہر حال میں اس عظمت کو برقرار رکھنا ہوگا تاکہ ہم حقیقی طور پر مقام منزل پر سرہوں۔ آپکو خود اپنا وجود اُن مثالی کرداروں کے مماثل کرنا ہوگا کہ جنکے ہوتے یہ کہا جا سکے کہ واقعتاً بندوق کو قلم کے تابع ہونا چاہیے۔ مگر نہ جانے کیوں مجھے اپنی مایوسی کا اظہار کرتے نا خوشگوار طور پر یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ شاید میری اس گزارش یا سخت تنقیدی فکروں سے بھی کوئی تبدیلی نہیں آنے والی۔ مجھے تو کچھ نہیں سوجھتا کہ کیسے کوئی ہم سب کو اس بات پہ مجبور کر دے کہ ہم سب اپنی اپنی بساط کے مطابق ایک مثالی کردار ادا کرتے اپنے منزل کی راہوں کو اس ڈھب میں تراشیں کہ اس کارواں کو کم دقتوں کا سامنا ہو۔ میں اگر سچ کہوں تو مجھے اتنا کچھ لکھنے کے بعد بھی کوئی ایسا جملہ، کوئی ایسا فقرہ یا لفظ نہیں ملتا کہ جسے آج یہاں لکھتے میں ہر سیاسی ورکر سے اس جہد کو ایک مثالی جہد بنانے کی درخواست کرسکوں۔ اگر سچ کہوں تو میں آپ سب سے ایسی درخواست کرنے میں بھی کنفیوژ ہوں۔ میں سچ میں کنفیوژ ہوں۔

☆☆ قومی تحریکوں کا انقلابی کردار۔۔۔۔۔۔۔ **سٹالن** ☆☆

اگر کوئی تحریک غیر ملکی سامراج کے خلاف جدوجہد کر رہی ہے تو اس کے انقلابی ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس میں مزدور طبقے کے لوگ بھی شامل ہوں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ تحریک کسی انقلابی یا جمہوری پروگرام کے مطابق چل رہی ہو اور نہ ضروری ہے کہ وہ تحریک جمہوری بنیادوں پر قائم ہو۔ مثلاً امیر افغانستان اس وقت اپنے ملک کی آزادی کیلئے برطانوی سامراج کے خلاف جدوجہد کر رہا ہے امیر اور اس کے ساتھیوں کے خیالات شاہ پسندانہ ہیں اور وہ جمہوریت کے قیام کے بجائے شخصی حکومت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں لیکن اس سے قطع نظر ہم اس جدوجہد کو انقلابی جدوجہد سمجھتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس سے برطانوی سامراج کی جڑیں کمزور ہوتی ہیں اور یہ امید پیدا ہوتی ہے کہ افغانستان کی آزادی کی تحریک چاہے بادشاہی کے ہاتھ میں کیوں نہ ہو، کامیاب ہو کر سامراج کو کمزور کرے گی لیکن دوسری طرف کرنسکی، رینوڈیل، چرنوف، ڈائن، ہنڈرسن اور کلائنٹ وغیرہ جیسے جمہوریت پسندوں، اشتراکیوں اور انقلابیوں کی مثالیں لے لیجیے۔ ان لوگوں نے جو جدوجہد کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سامراج کی فتح ہوئی اور اسکے قدم پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہو گئے چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے جمہوریت پسند اور اشتراکیت پسند ہونے کے باوجود تحریک ہرگز انقلابی نہیں تھی۔ مصر کے تاجر اور سرمایہ دار اہل علم اپنے ملک کی آزادی کے لئے جو جدوجہد کر رہے ہیں وہ انقلابی ہے اس لئے کہ اس کی کامیابی میں برطانوی سامراج کی تباہی مضمر ہے۔ اگرچہ مصر کی آزادی کی تحریک سرمایہ دار طبقے کے لوگ چلا رہے ہیں جو اشتراکیت کے سخت مخالف ہیں اس کے برخلاف برطانیہ کی مزدور (لیبر) حکومت مصر کو دائمی طور پر محکوم رکھنے کیلئے جو جدوجہد کر رہی ہے۔ وہ سراسر ترقی دشمنی اور رجعت پرستی پر مبنی ہے۔ اگرچہ برطانیہ کی مزدور حکومت کے ممبروں کا تعلق مزدور طبقے سے ہے جو اشتراکیت کا بھی حامی ہے لینن نے کہا تھا کہ قومی تحریکوں کے بارے میں یہ ثابت کرنے کیلئے کہ وہ انقلابی ہے یا غیر انقلابی ہمیں چاہیے کہ محض ان کو ظاہری جمہوریت کو نہ دیکھیں بلکہ ان کو اس میں ان تحریکوں سے مدد ملتی ہے یا نہیں اور اُسے فائدہ پہنچتا ہے یا نہیں اگر کسی قومی تحریک سے سامراج کے خلاف عالمگیر تحریک میں مدد ملتی ہے تو وہ قومی تحریک یقیناً انقلابی ہے اور اگر نقصان پہنچتا ہے تو غیر انقلابی۔ چاہے اس قومی تحریک کی باگ ڈور اشتراکیوں اور جمہوریوں کے ہاتھوں میں ہو یا سرمایہ داروں اور شاہ پسندوں کے ہاتھوں میں۔ ہم کسی قومی تحریک کو پوری دنیا کے عام نقشے سے الگ نہیں کر سکتے ہمیں چاہیے کہ ہر قومی تحریک کو عالمگیر صورت کے پس منظر میں رکھ کر اس کے بارے میں رائے قائم کریں۔

آپکے چھ پوائنٹ اور میرے چھ مِنٹ کی مختصر بحث

فیض بلوچ

بی این پی مینگل کے سربراہ سردار اختر مینگل گذشتہ دِنوں سپریم کورٹ کے سامنے پیش ہوئے اور اپنی پارٹی کی جانب سے چھ نکات پیش کیئے، اور کہا کہ نکات کے حل نہ ہونے کی صورت میں پُرامن علیحدگی اختیار کرنے کا فیصلہ کرینگے۔۔۔ گذشتہ کئی برسوں سے حقِ خودارادیت کا نعرہ لگانے والے حضرات نے ابھی تک علیحدگی کا حتمی فیصلہ بھی نہیں کیا، کیونکہ چھ نکات کے حل نہ ہونے کی صورت میں علیحدگی کا ذکر کیا گیا ہے اور اگر یہ نکات (جو کہ حل نہیں ہونگے) حل ہوئے تو اپنے ہی حقِ خودارادیت کے مطالبے سے دست بردار ہوجائینگے۔ یہ کُھلا تضاد نہیں تو اور کیا؟؟؟

سردار اختر مینگل کا پاکستانی قابض ریاست کے سُپریم کورٹ سے اچانک اُمید کی کِرن کا نظر آجانا ویسے ہی ہے جیسے رحمان ملک کے سیاہ چشمے سے بیرونی ہاتھوں کا دِکھائی دینا ہے۔ جناب اختر مینگل پاکستان کے جِس ادارے کو اپنی آخری اُمید سمجھتے ہیں، اُس ادارے کے منفی رویے کو یواین وفد نے اچھی طرح محسوس کرلیا ہے۔ مقبوضہ بلوچستان میں حالیہ دنوں دورے کرنے والے یواین وفد سے چیف جسٹس افتخار چوہدری کا ملاقات سے انکار کرنا، اُن تمام حضرات کو غفلت کی نیند سے جگانے کے لیئے کافی ہے کہ جنہیں دِن میں خواب دیکھنے کی بُری عادت لگ گئی ہے۔

پاکستانی چینلز پر جناب ثناءاللہ بلوچ ایک بات کافی دفعہ دہراچکے ہیں کہ ہمیں عقل سے بات کرنی چاہیے، اسٹیبلشمنٹ کہتی ہے کہ بلوچ جاہل ہیں اُنہیں صرف لڑنا آتا ہے اور بات چیت سے اِنکار کرتے ہیں اور یہی بات بی این پی مینگل کے اختر لانگو صاحب نے وَش نیوز کے ٹاک شو میں بالکل اُسی طرح بیان کی ہے۔۔۔ ایک طرف تو بی این پی مینگل انٹرنیشنل گارنٹرز کی بات کرتی ہے اور دوسری جانب کسی بین القوامی ضمانت بغیر اختر مینگل وثناء بلوچ کا پاکستان آکر سپریم کورٹ میں پیش ہونا اور اپوزیشن جماعتوں کے رہنماؤں کے ساتھ ساتھ کچھ وزراء سے بات چیت کا آغاز کرنا خود اُنکے قول وفعال میں تضاد کو ظاہر کرتا ہے۔۔۔ انسانی تاریخ میں ہمیں ایسی مثال نہیں مِلتی کہ کبھی ظالم نے مظلوم کے ساتھ انصاف کیا ہو، یا کبھی ظالم اور مظلوم کے مابین مزاکرات ہوئے ہوں،،،، میرے نزدیک ظالموں کی عدالتی نظام سے رحم کی فریاد بیوقوفی، جھوٹ اور فریب سے بڑھ کر اور کچھ نہیں ہے۔ جہاں تک رہی بات پاکستانی قبضہ گیر ریاست کی تو اُسکے بے بنیاد پروپیگنڈے سے ہمیں پریشان ہونے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے کہ بلوچ صرف بندوق کی زبان سے بات کرتا ہے اور بات چیت پر یقین نہیں رکھتا، تو جناب ثناءاللہ بلوچ اور اختر لانگو صاحب کو یاد دہانی کرانا چاہونگا کہ جب یواین کا وفد آیا تھا تو اُنسے مِلنے سے انکار پاکستانی ریاستی اداروں، فوج وحساس اداروں کے سربراہوں، حکومتی نمائندوں کے ساتھ ساتھ چیف جسٹس افتخار چوہدری نے کیا تھا کہ جِس سے آپکی جماعت کو اُمید کی کِرن دکھائی دیتی ہے، اور دوسری طرف تمام آزادی پسند سیاسی جماعتوں، بی ایس او آزاد، بی این ایم، بی آر پی، بی این وی اور انسانی حقوق کی تنظیموں وائس فار بلوچ مِسنگ پرسنز اور بی ایچ آر او نے بغیر بندوق اُٹھائے، عقل و فہم، فیکٹس اینڈ فیگرز کے ساتھ بلوچستان کا مسئلہ نہایت واضح انداز میں یواین کے وَفد کے سامنے پیش کیا۔ یواین کے وفد سمیت بین الاقوامی برادری کو اچھی طرح حالات کا اِدراک ہے کہ کون بات چیت پر یقین رکھتا اور کون ہٹ دھرمی دکھاتے ہوئے بندوق کے ذریعے دائمی طور پر مقبوضہ بلوچستان میں راج کرنا چاہتا ہے، کہ جہاں انٹرنیشنل میڈیا وانسانی حقوق کے اداروں کو کام کرنے کی اجازت اپنی جگہ، بلکہ لوکل میڈیا وتنظیموں کی نقل وحرکت ممنوع ہے۔

حرفِ آخر: بی این پی مینگل کے پیش کیئے جانے والے تمام کے تمام نکات حکومت وفوج نے مسترد کردیئے ہیں بلکہ اِسکے ساتھ ساتھ بلوچ نوجوانوں کی گمشدگیوں اور مسخ شدہ لاشوں کی برآمدگی کا نہ رُکنے والا سلسلہ مزید تیز کردیا گیا ہے۔۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ بی این پی مینگل آزادی اختیار کرنے کے لیئے اسلام آباد میں واقع لال مسجد کا رُخ کرینگے یا انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس سے رجوع کرینگے۔۔۔ ویسے جبری قبضے کو شادی کا نام دینا ہماری مُقدس سرزمین بلوچستان کے ساتھ زیادتی ہے۔

کچھ لمحوں کا ساتھ مگر زندگی کا نقش

برمش بلوچ

آج ایک ایسا دن ہے جس کو سوچتے ہی میری روح کانپ جاتی ہے آخر ایک ایسا لمحہ آیا جس نے مجھ سے میرا ایک عزیز استاد اور دوست جیسے بھائی کو مجھ سے جدا کیا۔ ایک ایسا دوست جس کے نقش قدم کے نشان پر چلتے ہوئے میں اپنا پہلا قدم رکھا۔ جس کے خیالوں کے سفر سے میں نے اپنے منزل کا آغاز کیا۔ جس کی ایک حرف نے مجھے آزادی کی چراغ کو تاریک نہ ہونے کا یقین دلایا 24 جولائی 2011 تا 24 اکتوبر 2012 ہمارا یہ سفر جو ہم نے بی ایس او آزاد کے پلیٹ فارم سے شروع کیا تھا اس بات سے ہم کبھی انکار نہیں کر سکتے کہ ایسے نڈر و مخلص ساتھیوں کی خلاء کو پُر کرنے میں صدیاں گزر جاتی ہیں اس عزیز دوست ساتھی کا نام عدنان خالد ہے۔

آج اس دوست کے نام کے ساتھ مرحوم لکھنے میں میرا قلم ساتھ نہیں دے رہا ہیں کیونکہ شاید مجھے اب بھی یقین نہیں ہو رہا کہ جس دوست کے نقش قدم پر چلتے ہی میں نے اپنی جہد کا آغاز کیا تو یہ سوچکر کہ آزادی تک ہم بی ایس او آزاد کے کاروان میں ایک ساتھ ہو کر جدوجہد کرینگے مگر سانسوں نے وفا نہیں کیا موت ایک ایسی حقیقت ہے جس پر نہ چاہتے ہوئے بھی انسان کو یقین کرنا ہیں۔ بقول شاعر

انسان پیدا ہوتا ہے مرنے کے لیئے
زندگی موت کی امانت

اس شعر کو پڑھ کر میں یہ تو یقین کروں گا کہ اس کاروان کا ایک اور مسافر اب ہم میں نہیں مگر آج وہ ہم سے جسمانی حوالے سے دور ہو چکے ہیں۔ اس کی قوم دوستی، تنظیمی نظم و نسق کا خیال کرنا، خوش اخلاقی، خوش گُفتاری اور معصومیت ہمیشہ ہمارے درمیان گردش کرتے رہیں گے۔ کچھ یادگار لمحوں کو آج اس کالم میں قید کر لیتے ہیں۔ مجھے آج بھی وہ دن یاد ہے 24 جولائی 2011 کو کراچی کے علاقے لیاری میں بی ایس او آزاد کراچی زون کی جانب سے شہدائے بلوچستان کی یاد میں زونل ریفرنس تھا گردے کی مرض میں مبتلا ہونے کی وجہ سے دوران خطاب اُس کے ہاتھ کانپ جاتے تھے مگر اس کی حوصلے کبھی بھی پست نہیں ہوتے تھے کامریڈ نے کبھی بھی اس بیماری کو اپنی قومی جدوجہد پر حاوی ہونے نہیں دیا۔ ہمارے اجلاسوں میں تنظیمی طریقہ کار، نظم وضبط، انقلابی جدوجہد کے حوالے سے ایک دوسروں کو درس دینا، ایک دوسرے کے حوصلوں کو مضبوط کرنا اور رہنمائی کرنے میں اُس کا ایک اپنا انداز تھا۔ اس دوران بہت سی ہماری ملاقاتیں ہوئیں اور موبائل فون کے ذریعے روزانہ حال واحوال ہوتا تھا اگر ایک دو دن رابطہ نہ کرتے تو دوسرے دوستوں سے عدنان کی خیریت کا حال دریافت کرتا مگر ان دوستوں سے یہ خبر ہوتا تھا کہ عدنان کی حالات ناساز ہے وہ ہسپتال میں زیر علاج ہیں کبھی اس کے گھر والوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہسپتال میں زیر علاج ہے مگر ہمیں معلوم نہیں تھا کہ وہ اس طرح ہمیں چھوڑ کر چلا جائے گا۔ جب میرا گذشتہ کالم "کراچی اور سامراجی ہتکھنڈے" شائع ہو گیا تو عدنان نے مجھے میسج کر کے کہا برمش میں نے آپ کا کالم پڑھا ہے، آپ کبھی لکھنا مت چھوڑنا۔ یہ باتیں شاید کہ پڑھنے والوں کے لئے عام باتیں ہوں مگر میرے لئے وہ عظیم حوصلے ہیں جو مجھے میری جدوجہد میں ایک استاد کی طرح رہنمائی کر رہے ہیں۔ بی ایس او آزاد کی جانب سے کراچی میں بلوچ خواتین کے حوالے سے اسٹڈی سرکل منعقد کی گئی تھی جس کے لیکچرار عدنان بلوچ تھے جس نے معاشرہ اور عورت کے موضوع پر لیکچر دیا اور اس لیکچر سے مجھے عورت سے منسلک معاشرتی حقائق سے آگاہی ہوئی۔ یہ سرکل ایک سے زائد گھنٹے کا تھا جس کے بعد سوال جواب کا سلسلہ شروع ہوا بعد ازاں ہمارا یہ پروگرام اختتام پذیر ہو گیا اور سب دوست اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے چونکہ مجھے کچھ ضروری کام تھا تو میں اپنے دوستوں کے ساتھ نہ چل سکا میں ایک گھنٹے بعد اپنا کام ختم کر کے گھر کی طرف نکل رہا تھا تو پھر عدنان میرے سامنے آئے پھر ہم نے ایک دوسرے کو خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کیا۔ عدنان اپنی سامنے والی شخص کی باتوں کو ہمیشہ سنجیدگی کے ساتھ سنتا تھا اور اپنی باتوں کو خوش اسلوبی کے ساتھ کرتا تھا جب بھی میں نے اس کو دیکھا تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی مگر آج کے بعد وہ مسکراہٹ بھری چہرے کو پھر میں کبھی نہیں دیکھ سکوں گا۔ ہم نے آخری بار ایک دوسرے سے بات چیت تین مہینے قبل میرے انٹر کے امتحانات سے پہلے کی تھی وہ بھی موبائیل پر sms کے ذریعے ہوا تھا۔ سلام دعا کے بعد عدنان نے کہا کہ برمش میرے پاس بہت اچھی کتاب ہے آپ پڑھنا۔ جب میرے امتحانات ختم ہوئے تو میں نے عدنان سے وہ کتاب لیا اور وہ کتاب اب بھی میرے پاس ہے۔ یہ تھا 24 جولائی 2011 تا 24 اکتوبر 2012 تک کا سفر۔ 24 اکتوبر 2012 دو بج کر 7 منٹ: یہ وہ لمحہ ہے جب مجھے موبائل فون پر میسج موصول ہوا جس سے معلوم ہوا کہ عدنان اب ہم میں نہیں رہا ہے۔ اس خبر نے پہاڑ کی طرح میری اوپر گر کر مجھے شدید زخموں سے دوچار کر دیا ہے

کامریڈ عدنان نمیران اِنت

نودبندگ بلوچ

انسانی زندگی میں اُس کی یادیں زندگی کے اہم پہلو میں شامل ہوتے ہیں کوئی اپنی ماضی کو یاد کر کے اپنی روح کو تسکین پہنچاتا ہے۔کوئی پیاروں کو یاد کر کے غم سے نڈھال ہوجاتا ہے۔ ہر شخص کی اپنی داستان زندگی ہوتی ہے۔لیکن کچھ یادیں ایسی ہوتی ہیں جو پورے معاشرے کو رُلا دیتے ہیں ۔ ہرگدان کو غم سے دوچار کر دیتے ہیں وہ اپنی یادوں میں بہت کچھ چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔لمحہ بہ لمحہ وہ یادیں اس میں معاشرے گردش کرتے رہتے ہیں آج ہمارے معاشرے میں بھی ایک عظیم سنگت کی یاد میں آنسوؤں کی لہر بہہ رہی ہے اُس کی یادیں مجلسوں کا موضوع بن چکے ہیں اُس کے ہمارے درمیان نہ ہونے کے خبر نے ہمارے معاشرے پر قیامت برپا کر دیا ہے۔۔۔۔۔جی ہاں وہ عظیم سنگت عدنان خالد بلوچ ہے۔

عدنان خالد بلوچ 5 اکتوبر 1985 کو تربت کے علاقے تمپ میں واجہ خالد بلوچ کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم تمپ سے حاصل کی۔ مزید تعلیم کیلئے تربت اور گوادر گئے۔انٹرلیاری ڈگری کالج کراچی سے پاس کیا۔اعلیٰ تعلیم کیلئے وفاقی اردو یونیورسٹی کراچی میں داخلہ لیا۔طبعی مسائل کی وجہ سے اپنی تعلیم کو جاری نہ رکھ سکے۔2006 کو اپنی سیاسی زندگی کا آغاز بی ایس او آزاد کے پلیٹ فارم سے کیا 2007 کو صحافت کے پیشے سے منسلک ہوگئے ''روزنامہ توار مستونگ'' میں بطور سب ایڈیٹر اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ بی ایس او آزاد کراچی زون کے زونل آرگنائزنگ کمیٹی ممبر، زونل سینئر نائب صدر اور بعد میں بی ایس او آزاد کراچی زون کے صدر منتخب ہوگئے اپنی زندگی کے آخری ایام تک بی ایس او آزاد سے منسلک رہے ہیں 24 اکتوبر 2012 کو دوپہر 2 بجے کے قریب عظیم سنگت ہم سے جسمانی حوالے سے جدا ہوگیا۔

جب انسان کسی بھی شعبے میں نظریاتی حوالے سے منسلک ہوں اس کو شکست دینا ناممکن ہوجاتا ہے وہ اپنے شعبے سے مخلص ہوتا ہے اپنی ذمہ داریوں سے مخلص ہوتا ہے کسی بھی قسم کے تکالیف، مشکلات یہاں تک کہ موت بھی اُس کے سامنے رکاوٹ نہیں بن سکتی ہے۔کامریڈ عدنان بلوچ قومی تحریک اور تنظیم سے مخلص تھا۔اپنی تنظیمی ذمہ داریاں مخلصی سے سرانجام دیتا تھا۔ طبعی حوالے سے جس قدر کمزور تھا۔شاید قارئین کیلئے اندازہ لگانا مشکل ہے لیکن وہ اپنے طبعی مسائل کی پرواہ کیے بغیر تنظیمی ذمہ داریوں میں سرگرم تھا ۔اپنے طبعی مسائل کو تنظیمی ذمہ داریوں کے سامنے رکاوٹ نہیں ہونے دیتا تھا۔شدید مشکلات کے باوجود اپنی ذمہ داریوں سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھا۔

کامریڈ کی مخلصی، ایمانداری، مضبوط سوچ وفکر نے موت کو بھی شکست دی ۔وہ آج جسمانی حوالے سے ہمارے درمیان موجود نہیں ہے لیکن کامریڈ کی مضبوط سوچ وفکر قومی تحریک میں ہماری رہنمائی کرتی رہے گی۔ ہمیشہ اپنے مسکراہٹ بھری انداز کے ساتھ ہمارے درمیان موجود ہونگے ۔کامریڈ کی مخلصی اور ایمانداری کی وجہ سے دوست اکثر انہیں کامریڈ، واجہ ،کماش، چیرمین، سنگت کے نام سے پکارتے تھے۔

کامریڈ اکثر دوستوں سے علمی بحث ومباحثہ کرنے کی کوشش کرتا تھا اکثر و بیشتر وہ دوستوں کو کہتا تھا وقت کے ضیاع کے بجائے علمی سرکل منعقد کریں۔ سلف اسٹڈی کو اپنی زندگی کا حصہ بنائے دوستوں کے تعلیم وتربیت کے حوالے سے کافی فکرمند تھا۔میں نے افتادگان خاک کا نام پہلی مرتبہ کامریڈ کے منہ سے سنا تھا جب ہم کراچی کے ایک بازار میں کتابیں لینے گئے تھے کامریڈ نے میرے ہاتھوں کے کتابوں سے ایک کتاب کے اوپر افتادگان خاک منصف فرانز فینن کا نام لکھا اور کہا کہ اس کتاب کو ضرور پڑھنا بہت اچھی کتاب ہے وہ اکثر کہتا تھا کہ عالمی سیاست پر بحث ومباحثہ کرنا اور اپنے اندرونی حالات کا تجزیہ کرنا جس سے حالات کا صحیح ادراک ہوگا عالمی وعلاقائی حالات کو مدنظر رکھ کر قومی تحریک کیلئے حکمت عملی بنانا ہوگا انقلاب کے متعلق کہتا تھا کہ انقلابی حصول کا پابند ہونا ہم سب پر لازم ہے انقلابی تعلیم سے بہرہ ور ہونا پڑے گا اس کے بغیر ہمارا انقلاب برائے نام

ہوگا روایتی طرز وطریقہ کار کو چھوڑ کر انقلابی طریقہ کار اپنانے ہونگے۔
کامریڈ اکثر دوستوں کے ساتھ خوش اخلاقیات سے پیش آتا تھا مسکراہٹ سے بھرے لہجے میں بات کرتا تھا دوستوں کے درمیان اور تنظیمی ذمہ داریوں میں کبھی بھی فرق نہیں کرتا تھا کسی دوست نے کہا کہ جب ہم پوسٹر لگا رہے تھے کامریڈ بھی ہمارے ساتھ تھا ہم نے کہا کماش آپ زونل صدر ہیں آپ ہمارے ساتھ کیوں پوسٹر لگا رہے ہو؟ یہ کام کارکنان کرتے ہیں جواب میں کامریڈ نے کہا دوست زونل صدر کے ذمہ داری آپ نے مجھے اعتماد کر کے دیا ہے آپ کے اعتماد اور تنظیمی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کیلئے مجھے حد سے زیادہ محنت کرنا ہوگا ہر کام میں آپ کے ساتھ ہونا میری ذمہ داری ہے کیوں کہ میں بھی آپ کی طرح ایک کارکن ہوں۔
کامریڈ سیکولر ذہنیت کا حامل انسان تھا جس کے سامنے مذہب، رنگ، نسل سے بالاتر انسانیت کا قدر تھا مکمل انسانی آزادی کے حامی شخص تھے مرد اور خواتین کے برابر حقوق مذہب، قبائل، ظلم و جبر سمیت ہر قسم کے غلامی کا سخت خلاف تھے غور وفکر اور عمل کرنے پر یقین کرتا تھا ہمیشہ کہتا تھا اپنی روایتی طرز زندگی پر تحقیق کرنا ہے، سامراج کی مسلط کردہ سوچ کو ختم کرنا ہے اور اپنے اندر تخلیقی صلاحیت پیدا کرنا دنیا میں برابری کے بنیاد پر زندگی گزارنے کیلئے سائنسی بنیاد پر جدوجہد کرنا ہوگا۔
کامریڈ بلند حوصلے کے مثال تھے گپ شپ کے دوران اس کے ہاتھ اور جسم کمزوری کے وجہ سے کانپ جاتے تھے مہینے بھر ہسپتال میں زیر علاج ہوتا تھا کبھی کبھار مذاق سے کہتا تھا کہ ہر مہینے ہسپتال میں زیر علاج ہونے کی وجہ سے مین گیٹ کے چوکیدار سے لیکر آخری منزل کے ڈاکٹر تک مجھے جانتے ہیں لیکن اپنے کمزوریوں کے متعلق کبھی بھی ذکر نہیں کرتا تھا۔
جب ہسپتال سے فارغ ہوکر گھر آتے تھے فوراً بعد دوستوں سے ملنے کیلئے خود آتے تھے دوست آرام کرنے کو کہتے تو کہتا مجھے کچھ نہیں ہوگا کامریڈ اپنے خوش مزاجی کے وجہ سے دوستوں کے زیادہ قریب ہوتا تھا آپ کے بغیر دیوان اُداس اُداس تھے اس وجہ سے دوست آپ کو مجبور کرتے تھے دیوانوں میں موجود ہونے کیلئے طبعی مسائل کے باوجود دوستوں کے خواہشوں کا احترام کرتا تھا۔
قابلیت اور پختہ نظریہ کی وجہ سے آج ہمارا معاشرہ کامریڈ کے جسمانی حوالے سے جدا ہونے پر یقین نہیں کر رہا ہیں کیونکہ آپ کے مسکرائٹ بھری انداز آپ کے وہ حرف جو ہمیشہ آپ قومی تحریک، انقلاب اور تنظیم کے متعلق کہتے تھے وہ ہمیشہ آپ کے موجود ہونے کے یقین دلائے گے بقول ایک دوست کے ''ہما سر نمیران بنت کہ آں زندءِ گڈی روچ ءِ گوں جہدءَ ہمگر نچ بنت'' یقینً آپ ہمیشہ زندہ ہونگے آپ کا کردار آج بھی آپ کے زندہ ہونے کا احساس دلائے گا آپ کی جدوجہد ہمیشہ اس کاروان کے رہنمائی کرے گا۔
کامریڈ کی زندگی انقلابی جدوجہد کی علامت تھی اور تاریخ گواہ ہے کہ انقلابی جہدکار ہمیشہ تاریخ میں نمیران ہوتے ہیں آج میں پختہ یقین کے ساتھ کہتا ہوں
کامریڈ عدنان جان نمیران اِنت۔

افریقی انقلاب میں حصہ لینے کیلئے کوئی انقلابی گیت لکھ دینا کافی نہیں۔ آپ کو عوام کے ساتھ مل کر انقلاب کو ایک شکل دینی ہوگی اور آپ عوام کے ساتھ انقلاب کی صورت بخشیں تو گیت خود بخود ہوں گے

☆☆سیکوطورے☆☆

بلوچ نوجوان جہدکاروں پر غلامی کے نفسیاتی اثرات اور بلوچ لیڈرشپ کی ذمہ داریاں

نوہان بلوچ

اس بات کو کوئی رد نہیں کرسکتا کہ نوجوان کسی قوم کی ریڈھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔قومی آزادی کی تحریکوں میں نوجوانوں کا اہم کردار رہا ہے۔ایک دانشور کا قول ہے کہ اگر تم کسی قوم کو بغیر جنگ کے تباہ کرنا چاہتے ہو تو اس قوم کے نوجوانوں میں منشیات اور فحاشیاں عام کرو تو وہ قوم جلدی تباہ ہوجائے گا اور بغیر لڑے غلامی قبول کرے گا۔

بلوچ جہدکاروں کی قربانیوں اور بلوچ سرمچاروں کی کامیاب جنگی حکمت عملی کے باعث بلوچ قومی آزادی کی تحریک جو اب امریکی ایوانوں تک پہنچ چکی ہے اور پاکستانی ریاست اور اس مقامی گماشتے پارٹیوں کی لیڈرشپ کی بے چینی میں اضافہ ہوا ہے۔(کیونکہ گماشتے مالک وحاصل اور اس کی ٹیم اور رُپت ءُروپ گروپ یہی کہتے ہیں کہ ہم پنجابی پارلیمنٹ میں ہم اپنے حقوق حاصل کریں گے لیکن نوجوان ان کی بات ماننے کو تیار نہیں وہ اب آزادی سے کم کچھ لینے کو تیار نہیں اسلئے سامراجی گماشتے یہی کہتے ہیں کہ بلوچستان میں آزادی کی کوئی تحریک نہیں چل رہی یہ بس چند جزباتی نوجوان ہیں)۔اس میں نوجوانوں کا کلیدی کردار رہا ہے۔۔بلوچ commited نوجوانوں ہر مشکل گھڑی میں سخت حالات کا سامنا کرکے جہد آزادی سے دستبردار ہونے کے بجائے اپنے موقف (آزادی) پر آج بھی ڈٹے ہوئے ہیں لیکن وہ جو صرف شوق اور نام کمانے کیلئے تحریک آزادی کا حصہ بنے تھے اور اپنا شوق پورا کرکے تحریک سے دور ہوکر مشکل حالات میں غلام قوم اور وطن کو چھوڑ کر بیرون ممالک چلے گئے۔جلسے جلوسوں میں یہی کہتے رہے کہ اگر ریاستی فورسز نے ہمارے گھروں کو ٹریکٹر سے اکھاڑ دیا یا جلا دیا تو بلوچستان کے پہاڑ ہمارے مسکن ہوں گے،ہم وہیں جائیں گے۔لیکن جب وہ وقت ان پر آن پڑا تو انہوں نے عربوں کی سرزمین پر پناہ لینے میں عافیت جانی۔لیکن با صلاحیت اور سنجیدہ حقیقی جہدکار مادرِ وطن پر قربان ہوئے اور ہزاروں کی تعداد میں کئی جہدکار اب بھی دشمن سے نبرد آزما ہیں۔پہلے جب جلسے جلوسوں کا دور تھا سیاسی تنظیمیں surface پر جہد کررہے تھے۔تو نوجوان زیادہ سرگرم دکھائی دیتے تھے ان میں برے کام،آزاد حیالی یا منشیات استعمال کرنے کا رجحان نہ ہونے کے برابر تھا۔ وہ تنظیمی کاموں میں لگے رہتے تھے۔لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب ریاستی دہشت گردی اپنی عروج کو پہنچ گئی۔آئے روز آزادی پسند جہدکاروں کو اغوا کرنا اور چند ماہ میں ٹارچر کرنے کے بعد ان کی مسخ شدہ لاشوں کو ویرانوں میں پھینکنا روز کا معمول بن گئے تو یقیناً آزادی پسند تنظیموں نے اپنے لئے نئی حکمت عملی وضع کی۔جلسہ جلوسوں کا دور گزر گیا۔اپنے سارے تنظیمی کام انڈرگراؤنڈ ہورہے ہیں۔اس سے دشمن ریاست کے فوج اور بدنام آئی ایس آئی کو شدید پریشانی کا سامنا ہے وہ نہیں جانتا کہ سیاسی جہدکار کون ہیں۔کون وال چاکنگ کررہا ہے کون پمفلٹ بانٹ رہا ہے۔کون لٹریچر کا کام کرتا ہے۔ دانشور اور قلمکار کون کون ہیں جو اپنے مضامین،آرٹیکل اور شعروں سے بلوچ تحریک آزادی کو مضبوط اور تحریک کی نمائندگی کررہے ہیں اور بلوچ نوجوانوں کو مایوسیوں سے نکال کر انہیں نہ صرف اصل راہ دکھا کر ان کی حوصلہ افزائی کررہے ہیں۔ان کو motivate کررہے ہیں۔لیکن اگر ہم دوسری طرف تجزیہ کریں تو ان تنظیموں کے انڈرگراؤنڈ ہونے اور کارکنوں پر زیادہ کام نہ ہونے کی وجہ سے ان تنظیموں کے کئی نوجوان کارکن آزاد خیال ہورہے ہیں۔کئی مایوسیوں میں کھیل رہے ہیں۔کئی نوجوان محبت میں ناکامی کی وجہ سے بھی مایوس دکھائی دے رہے ہیں۔ان مایوسیوں کی وجہ سے وہ اپنے غموں کو کم کرنے کیلئے یا تو منشیات،بیئر،چرس،سگریٹ،جے ایم،ہوت،کا استعمال کررہے ہوتے ہیں۔اس طرح ہم فکر ہونے کی وجہ سے جونیئر کارکن بھی ان کو دیکھ کر سگریٹ نوشی یا دوسرے قسم کے منشیات کا استعمال کرتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ان تنظیموں میں سگریٹ نوشی فیشن بن گیا ہے۔ایسی حرکتیں آزادی پسند تنظیموں کی بدنامی کا سبب بن سکتے ہیں۔کئی جونیئر کارکن جو ایسے منشیات کا استعمال نہیں کرتے وہ سنیئر کارکنوں کی اس طرح کی حرکتوں کی وجہ سے تحریک اور ان تنظیموں سے مایوس دکھائی دیتے ہیں۔

کئی ایسے سنیئر کارکن بھی ہیں جو تحریک آزادی کا عملاً حصہ بھی ہیں لیکن پھر بھی آزاد خیالی کا شکار ہیں۔ہر وقت ہر بات پر مذاق کرنا ان کا معمول بن چکا ہے ان کو ہر وقت مذاق میں دیکھ کر جونیئر کارکن ان سے کوئی امید نہیں رکھ سکتا۔۔وہ تنظیمی کاموں پر بھی مذاق کرتے ہیں۔جب وہ دوسرے فکری دوستوں سے اس طرح پیش آتے ہیں کہ

دوسرا دوست یہی سوچتا ہے کہ یہ تنظیم کے لئے کوئی کام سرانجام نہیں دے سکتا اس کو کس نے یہ عہدہ دیا ہے۔ مثلاً تمہارا کوئی فکری اور سچا اور قریبی دوست ہو تم ہر وقت ہر کام میں اس کے ساتھ مذاق کرتے ہو۔ ان سے جو کہتے ہو کہ میں تمہارے لئے وہ کروں گا یہ کروں گا، یہ لاؤں گا وہ لاؤں گا (میں یہاں ان کی ذاتی زندگی کی بات کر رہا ہوں) لیکن تم نے اس دوست کو دھوکہ دیا اپنا کیا ہوا وعدہ پورا نہیں کیا تو دوسرا دوست اس سے کوئی امید نہیں رکھتا وہ چاہے وہ ان پر ہر وقت غصہ نکالتا ہے ذاتی زندگی ہو یا تنظیمی کاموں کی۔ اس حرکت کی وجہ جب وہ دوسرے کارکن کو تنظیمی کام سونپتا ہے تو ان کی اس (دھوکہ) حرکت کی وجہ سے یہ کارکن تنظیمی کام بھی نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ تم نے کہا تھا کہ میں تمہارے لئے وہ کروں گا تم نے کیوں نہیں کیا۔ جب تک تم میرا وہ کام نہیں کرو گے میں تمہاری اور تنظیم کیلئے کوئی کام نہیں کروں گا۔ وہ اپنے دوست کا غصہ تنظیم پر نکالتے ہیں۔ یہ تنظیم کیلئے نیک شگون نہیں ہے۔ کارکنوں کو ایک دوسرے سے اچھی طرح سے پیش آنا چاہیے جب ہم اتحاد کی بات کرتے ہیں تو پہلے ہمیں کارکنوں کو بھی ایک ہونا ہے اپنے درمیان برداشت اور اتحاد قائم کرنا ہے۔ کوئی ایسی حرکت سے گریز کریں جو دوسرا دوست ہماری ان حرکتوں کی وجہ سے ہم سے دور ہو جائے۔

کیونکہ اس کی وجہ سے میرے اپنے تجزیے سے کئی نوجوان اپنے دوسرے دوستوں کی اس طرح کی حرکتوں کی وجہ سے تحریک سے مایوس یا دستبردار ہو چکے ہیں۔ یہ آزاد خیال لوگوں کا کام ہے۔ یہ انقلابی کارکنوں کا کام نہیں ہے۔ اس طرح کی حرکتوں کو خاص کر آزادی پسند کارکنوں کو گریز کرنا چاہیے جو تحریک آزادی کیلئے نقصان دہ ہے۔ اس کا مطلب دشمن کے بجائے ہمارے اپنے ہی کارکن تحریک کو نقصان پہنچا رہے ہیں اور شہداء کے مشن اور خون سے غداری کے مترادف ہے کیونکہ ہم اپنے تقریر سے پہلے انہی شہداء کا نام لیتے ہیں جنہوں نے اپنے زندگی ہمارے لئے قربان کردی۔ یہ سب غلامی کے نفسیاتی اثرات ہیں جو بلوچ نوجوانوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ ذمہ داری لیڈرشپ اور سنیئر کارکنوں کی ہے کہ وہ ان کی سیاسی تربیت کریں۔ اگر ان مشکل حالات میں جلسے جلوس نہیں کر سکتے۔ لیکن پارٹی کے کارکنوں اور قوم کو اپنا پیغام ویڈیو کے ذریعے پہنچا سکتے ہیں۔ اس سے نوجوانوں میں پھر وہی جزبہ اور سیاسی شعور آسکتا ہے۔ اور وہ ہوسکتا ہے دوسرے فکری (انقلابی کارکن کو صرف فکری نہیں بلکہ ہر دوست سے صحیح سلوک کرنا چاہیے ان کو مزید دوست بنانا چاہیے ان کے ساتھ ایسی سلوک کی کوئی گنجائش نہیں جو انقلابی کارکن پر سے اعتبار اٹھ جائے۔ کیونکہ اگر انقلابی کارکن سے اعتبار اٹھ جائے تو اس کے دوست ان کے تنظیم پر بھی الزام لگانے سے گریز نہیں کرتے کہ یار اس کو دیکھو کتنا دھوکہ باز ہے اور اس کا تنظیم بھی ایسا ہوسکتا ہے) دوستوں تاکہ کارکن منشتر اور آزادی خیالی کا شکار نہ ہوں۔

لاپتہ بلوچ اسیران کے بازیابی کے لئے جدوجہد کرنے والی تنظیم وائس پار بلوچ مسنگ پرسنز نے بلوچستان میں لاپتہ بلوچ اسیران کے عدم بازیابی کیخلاف عید کے روز لاپتہ بلوچ اسیران کے رشتہ داروں اور عزیزوں کے ہمراہ اپنا احتجاج کا سلسلہ جاری رکھا اور کوئٹہ شہر میں ایک ریلی بھی نکالی، ریلی کے شرکا نے شہر کے مختلف شاہراوں کا گشت کیا اور اپنے مطالبات کے حق میں نعرے بازی بھی کی ریلی میں خواتین اور بچے بھی شریک تھے جن کے ہاتھوں میں ان کے پیاروں کے تصاویر تھے۔ ریلی میں شریک آٹھ سالہ بچی نازیہ نے اپنے خطاب میں کہا ساری دنیا کہ مسلمان آج اپنے اپنے گھروں میں عید منا رہے ہیں لیکن آو دیکھوں نہ میں نے دوسرے بچوں کی طرح مہندی لگائی ہے اور نہ ہی نئے کپڑے پہنے ہیں کیونکہ میرا بھائی ظفراللہ بلوچ ڈھائی سال سے لاپتہ ہے اور معلوم نہیں وہ کس حال میں ہے۔ ریلی سے خطاب کرتے ہوئے وائس پار بلوچ مسنگ پرسنز کے وائس چیئرمین ماما قدیر بلوچ نے کہا کہ 2001 سے لیکر اب تک 14500 سے زائد بلوچ لاپتہ ہے اور اب تک لاپتہ بلوچوں کے 500 سے زائد مسخ شدہ لاشیں بھی برآمد ہو چکی ہے اور متعدد بلوچوں کو ٹارگٹ کر کے شہید کر دیا گیا ہے بلوچستان میں انسانی حقوق کی پامالیوں میں روز بہ روز شدت سے اضافہ ہوتا جا رہا ہے جبری گمشدگیوں اور مسخ شدہ لاشوں کے برآمدگی کے واقعات میں کمی کے بجائے اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور لاپتہ بلوچوں کے اہل خانہ کو سنگین قسم کے دھمکیاں دی جا رہی ہے عدلیہ لاپتہ بلوچوں کے نام پر سماعت کر کے دنیا کو گمراہ کرنے کی کوشش کر رہی ہیں آئے روز سماعتوں کے باجود ابھی تک لاپتہ بلوچوں کی بازیابی عمل میں نہیں آئی ہیں سماعتوں کے باجود جبری گمشدگیوں کا سلسلہ جاری ہے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سیکورٹی فورسز اور خفیہ ادارے کسی بھی قسم کے قانون و آئین کے پابند نہیں ہے۔ آج عید کے روز دنیا بھر کے مسلمان اپنے مذہبی تیوار جوش و جذبے کے ساتھ منا رہے ہیں لیکن ہم اپنے پیاروں کی بازیابی کیلئے اپنا سب کچھ چھوڑ کر کھلے آسمان تلے زندگی گزارنے پر مجبور ہے ہمارے ساتھ معصوم بچے، خواتین اور بزرگ بھی موجود ہے جو بلوچستان کے مختلف علاقوں سے کوئٹہ آئے ہیں اپنے پیاروں کی بازیابی کے منتظر ہے۔ عید کے روز ہم اپنا احتجاج ریکارڈ کر کے دنیا کے مذہب ممالک، اقوام متحدہ سمیت انسانی حقوق کے تنظیموں سے اپیل کرتے ہیں کہ بلوچ اسیران کی بازیابی میں اپنا کردار ادا کرے۔

جاسوس یا پیسے کے سوداگر

بورتاچ بلوچ

تھرلو نے کیا خوب کہا تھا کہ ''کوئی جاسوس پیسے کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا اور پیسے کیلئے کچھ بھی کرسکتا ہے''۔ جاسوس کو ہر کوئی اپنے القاب سے نوازتا ہے۔ جیسے کوئی انکوموت کے سوداگر، کوئی پیسہ کے سوداگر، کوئی غیرت کے سوداگر، کوئی مادر ووطن کے غدار اور خاص کر پیسہ کے سودا گر سے بہت مشہور ہیں۔ہمیں تب معلوم ہوگا جب ہم جاسوسی کے تاریخ پرنظر دوڑائیں تو ہمیں یہ ناگریز برائی انسان کے جنگ سے آشنا ہونے کے فوراًبعد ہی معرض وجود میں آئی۔ جیسا کہ

''World Greatest Spies and spymasters''

میں راجر بوئراور نائجل بلنڈل نے جاسوسی کی تاریخ پر کچھ اسطرح سے اپنے نقطہ نظر زیرقلم کئے تھے کہ ''چوتھی صدی قبل ازمسیح میں چین کے عسکری ماہر WUN TZU نے کہا تھا کہ وہ لوگ جو اپنے دشمن کے بارے میں بھی اتنے ہی باعلم ہوتے ہیں جتنا کہ اپنی ذات کے بارے میں انہیں زندگی بھر شکست کا سامنا نہیں کرنا پڑتا''

''زو'' مزید کہتا ہے ''دشمن کی صلاحیتوں میں پہلے سے باعلم ہونے کی صلاحیت فوجیوں اور اعلیٰ افسران کو ایسے نشانوں پر ضرب لگانے ،کامیابیاں حاصل کرنے اور فتح مند ہونے کے قابل بناتی ہے جو عام آدمی کی پہنچ سے باہر ہیں اور اس حکمت عملی سے بغیر ناممکن ہے''۔

جب تیرہویں صدی میں چنگیز خان کے منگول لشکروں نے یورپ کو فتح کیا تو وہاں پر پہلے سے موجود مقامی جاسوس جو وہاں تاجروں اور سوداگروں کے بھیس میں موجود تھے اس کے حملے کیلئے راہ ہموار کر چکے تھے۔ ہر پچیس میل کے فاصلے پر خان کے تازہ دم پیغام رسانوں اور گھوڑوں پر مشتمل جو تاریخ میں ''یونی'' کے نام سے جانی جاتی ہیں۔ہفتوں پر مشتمل سفر کو محض 24 گھنٹے میں بدل کر اسے ہر دم باخبر رکھتیں۔

آگے چل کر قلم کار ایک گناہ گار یا قابل تقلید مثالی جاسوس سٹیبر کے بارے میں کچھ اسطرح لکھتے ہیں کہ سٹیبر کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں اور انسانی کمزوریوں کو استعمال کرنے کی گناہ گارانہ طبیعت نے اسے ایک ایسا عظیم جاسوس بنا دیا جس نے 20 ویں صدی کی جاسوسی اور اسکی تنظیم سازی کی بنیاد رکھی۔سٹیبر نے برلن میں ایک وکیل کی حیثیت سے اپنی سخن سازی کا آغاز کیا اسکی شہرت بنیاد پرستوں کے ہمدرد اور انکے وکیل کی حیثیت سے پھیلنے لگی آخرکار وہ اپنی مکارانہ صلاحیتوں کی بدولت 1850 میں پولیس کمشنر بن گیا مگر جب اسکے سرپرست بادشاہ فریڈرک ولیم کو پانچ سال بعد مخبوط الحواس قرار دے کر تخت سے ہٹا دیا گیا تو پروشیائی حکام بالا نے سٹیبر کے تمام تر مظالم اور پیشہ ورزندگی میں اخلاقیات سے بالکل بے بہرہ ہونے کی بنیاد پر سارے بدلے چکا ڈالے۔ایک مرتبہ سٹیبر نے لندن کا دورہ کیا اور وہاں کارل مارکس جیسے پروشیائی مہاجرین کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ وہ بظاہر تو زار کیلئے کام کررہا تھا مگر اپنے ابائی وطن پروشیاء میں بھی اپنے بارے میں حالات سازگار بنانے کیلئے خفیہ طور پر تگ ودو کر رہا تھا آخرکار اسکی کوششیں رنگ لائیں اور 1863 میں اسے ''مفید آدمی'' کی حیثیت سے بسمارک سے متعارف کروایا گیا۔آسٹریا جرمن سلطنت کا اگلا شکار بننے والا تھا سٹیبر کو وہاں کی عسکری تیاروں کا جائزہ لینے بھیجا گیا اس نے ایک پھیری والے کے بھیس میں آسٹریا کا سفر کیا جسکی ریڑھی پر دو ڈبے ہوتے تھے ایک میں مذہبی لٹریچر اور دوسرے میں عریاں تصویریں اگر گاہک کسی ایک چیز کو رد کرتا تو وہ فوراً اسے پیش کر دیتا کہ اسکی ''دکانداری'' خراب نہ ہو۔مہینوں بعد وہ آسٹریا کی مکمل طاقت کے بارے میں جامع اور مفصل خفیہ رپورٹوں کیساتھ جرمنی آیا۔

اس نے یہ معلوم کیا کہ دشمن ابھی تک قدیم ہتھیار استعمال کررہا ہے جنکا

جرمن اسلحے سے کوئی مقابلہ نہیں ۔جنرل ہیلمتھ ون مولٹک (Helmuth von moltok) جان چکا تھا کہ اب وہ پورے یقین اور اعتماد کیساتھ حملہ کرسکتا ہے۔3 جولائی 1866 کو دو ہفتوں کی خون ریز جنگ سیڈوا (Sadowa) کے بعد آسٹریا نے ہتھیار ڈال دیے اس جنگ میں آسٹریا کے چالیس ہزار جبکہ جرمنی کے صرف نو ہزار فوجی کام آئے۔

قیصر دوئم 1910ء میں بادشاہ ایڈورڈ ہفتم کی آخری رسومات میں شرکت کیلئے لندن آیا تو اسکے ساتھ بحری فوج کا ایک کپتان بھی تھا جو ایک جاسوس کی حیثیت سے جانا جاتا تھا اسے کیلڈونین پر کارل گیسٹاوارنسٹ کے نام سے ایک حجام کے بھیس میں اتارا گیا تھا جو معززین شہر کیلئے بال کٹوانے کا بہترین مرکز تھا۔کیل نے اس حجام کی ڈاک کی چھان بین کرنے کی اجازت طلب کی اس نے کھوج لگایا کہ ارنیسٹ نامی حجام جرمن خفیہ ادارے کے ڈاکئے کے فرائض سرانجام دے رہا ہے۔برلن سے اسے انفرادی خطوط پر مشتمل ایک پیکٹ موصول ہوتا تھا جو لندن میں سرگرم مخبروں کیلئے ہوتے تھے۔مخبر اپنی تیار کردہ رپوٹیں ارنیسٹ کی دکان کے راستے واپس برلن بھجواتے۔

14 اگست 1914ء کو اعلان جنگ کے بعد کیل کا بہترین وقت آن پہنچا۔اس دن سورج نکلنے سے بھی پہلے کیل اور اسکی اسپیشل برانچ جواب سربا سل تھا میسن کے زیرنگرانی کام کررہی تھی ارنیسٹ نامی حجام اور اسکے 23 دیگر مخبروں کو گرفتار کرکے جرمن انٹیلیجنس کی کمر توڑ چکے تھے۔ان تمام مخبروں کو جرمن حکومت کی طرف سے محض ایک پاؤنڈ ماہانہ ادا کیا جاتا تھا۔

آگے قلم کار اسی کتاب میں ایک اور جاسوس جو''ریلی'' کے نام سے جانا جاتا ہے کچھ اسطرح بیان کرتا ہے کہ''روس واپسی پر ریلی نے ایک بے پناہ بزنس مین کا روپ دھارا اور سینٹ پیٹرز برگ میں ہفتہ ہوا بازی منعقد کیا جہاں جرمن شرکاء نے طیارہ سازی کی بدلتی ہوئی تکنیکوں کے بارے میں انتہائی حساس معلومات اکھٹی کیں۔بعد میں ریلی نے ایک جرمن کا آفیسر کا بھیس بدل کر کوننگ برگ کے مقام پر کئی ہفتے گذارے اس دوران اس نے تازہ ترین جنگی معلومات حاصل کیں۔

اگر ہم بلوچستان کی تحریک آزادی پر نظر دوڑائیں تو یہاں بھی مخبروں کی کمی نہ رہی ہے۔یہاں جاسوس مختلف روپ میں پکڑے گئے ہیں جیسا کہ حجام کے روپ میں ،فقیر کے روپ میں، پاگل کے روپ میں،مزدور کے روپ میں،تبلیغ والوں کے روپ میں، چندہ والوں کے روپ میں، وغیرہ وغیرہ۔اس کتاب کو پڑنے کے بعد قارئین کو پتہ چلتا ہے کہ جاسوس روپ بدلنے میں کس طرح ماہر ہوتا ہے اور پیسے کیلئے کچھ بھی کرسکتا ہے۔

جب غلام کو اپنی طاقت کا علم ہوتا ہے تو یوں مسلح جدوجہد شروع ہوجاتی ہے۔

☆☆ **فینن** ☆☆

اگر میری شادی غلام ہندوستان سے ہوئی ہے تو میری دلہن صرف موت ہوگی میرا جنازہ ہی میری بارات ہوگا اور باراتی ہونگے اس ملک کے شہید۔

بھگت سنگھ

زندان

بلوچ خان دہانی

وہ مغرب کا وقت تھا جب میں اپنے دوستوں کے ساتھ بازار سے گھر کی طرف جارہا تھا۔سورج ڈھوب گیا تھا اور رات قریب تھی تھوڑا اندھیرا تھا۔جونہی ہم نے پکی سڑک سے کچے سڑک کا راستہ اختیار کیا (اس جگہ پر پکی سڑک ٹوٹی ہوئی تھی)۔ ہم موٹر سائیکل سے آہستہ آہستہ جارہے تھے۔جب ہم اس سڑک کے درمیان پہنچے ۔درمیان میں ایک موڑ تھا۔ایک سفید گاڑی جو تیزی سے آرہا تھا۔ہمارے موٹر سائیکل کے سامنے آکر سپیڈ سے بریک کیا۔ہمارا راستہ مکمل طور پر بند ہوگیا۔جونہی بریک کیا سات یا آٹھ مسلح افراد نیچے اترے۔اور ہم پر بندوق تھان کر کہا خبردار! اگر کسی نے بھی ہوشیاری دکھائی یا بھاگنے کی کوشش کی تو ساری گولیاں اس کے سینے میں اتار دیں گے۔پہلے میں نے سمجھا کہ چور ہیں جو ہمارا موٹر سائیکل چھیننا چاہتے ہیں۔لیکن انہوں نے ہمیں اپنے ساتھ جانے کو کہا۔ہم نے کہا ہمارا گناہ کیا ہے ہم نے کیا کیا ہے؟ ہمیں کیوں لے جارہے ہو؟ اس نے اردو زبان میں کہا کہ وہاں جا کر سب کچھ پتہ چلے گا کہ تم نے کیا کیا ہے اور کیا کرنا چاہتے ہو۔ایک نے کہا آنکھیں باندھ لو پاؤں باندھ لو۔ انہوں ہماری آنکھوں پر سیاہ پٹیاں باندھ لیں۔ ہاتھوں کو بھی پیچھے سے باندھ لیا۔ پھر گاڑی کو تین چار چکر مارا۔پھر مجھے کچھ پتہ نہیں چلا کہ وہ ہمیں کہاں اور کس جگہ پر لے گئے۔گاڑی تقریباً ڈیڑھ یا دو گھنٹہ تک سفر میں رہا۔پھر اچانک گاڑی روک دی گئی ہمارے آنکھوں پر سیاہ پٹیاں تھیں۔ہم نہیں جان پائے کہ وہ ہمیں کس جگہ پر لے آئے ہیں۔انہوں نے ہمیں گاڑی سے اتارا الگ الگ کمروں میں پھینک دیا۔کمرہ اتنا چھوٹا تھا کہ آدمی ٹھیک طرح سے نہ سوسکتا تھا اور نہ ہی اپنا پاؤں صحیح طرح سے بچھا سکتا تھا۔ چند لمحے کے بعد دروازہ کھلا، دو آدمی آکر ہم سے پوچھ گچھ کرنے لگے۔

تمہارا نام کیا ہے؟

بلوچ،

باپ کا نام کیا ہے؟

آدینگ بلوچ

تمہارے ساتھیوں کے نام کون ہیں اور کہاں کے رہنے والے ہیں؟

مہمان ہیں۔

تمہیں اسلئے یہاں لایا گیا ہے کہ تم دہشت گرد تنظیموں کا ایجنٹ ہو۔ملک دشمن کاروائیوں میں ملوث ہو۔تم ملک کو توڑنا چاہتے ہو۔۔

نہیں میرا سیاسی پارٹیوں سے کوئی تعلق نہیں۔

جھوٹ مت بولو اس نے زور سے میری گھال پر زوردار تھپڑ مار کر یہ دھمکی دے کر چلا گیا کہ اگر تم سچ نہیں بولو گے اور اپنے دوسرے ساتھیوں کے نام نہیں بتاؤ گے تمہیں یہیں جیل میں سڑنا ہوگا۔۔

پھر وہ دوسرے کمرے میں جا کر میرے دوسرے ساتھیوں سے پوچھ گچھ کرنے لگا۔ مجھے کچھ سنائی نہیں دیا کہ انہوں نے میرے ساتھیوں سے کیا پوچھا۔۔

اس نے پھر آکر مجھ سے کہا کہ تم نے جھوٹ بولا تھا کہ تمہارا سیاسی پارٹیوں سے کوئی تعلق نہیں لیکن تمہارے دوست کہتے ہیں کہ تم اپنے علاقے کا واحد سیاسی رہنماء ہو۔(میرے ساتھیوں نے ایسا نہیں کہا تھا انہوں نے راز اور معلومات حاصل کرنے کیلئے ایسا کر رہے تھے) نہیں میرا سیاسی پارٹیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جھوٹ کیوں بولتے ہو؟۔اس نے مجھے ایسے گالیاں دیں کہ میں بیان نہیں کرسکتا۔اور بلوچ رہنماؤں کو بھی بیہودہ گالیاں کہ وہ دین اسلام اور مسلمانوں کا دشمن اور انڈیا کے ایجنٹ ہیں۔جو ملک کو توڑنا چاہتے ہیں۔اس نے کہا سچ سچ بتاؤ ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔ورنہ تمہیں مار کر تمہاری لاش کو ویرانوں میں پھینک دیں گے تمہاری لاش کو جانور کھالیں گے۔تمہیں قبر بھی نصیب نہیں ہوگا۔ میں نے کہا مجھے نہیں معلوم۔پھر انہوں نے مجھے خوب مار کر بے ہوش کر کے چلے گئے۔۔

پتہ نہیں کیا ٹائم ہوا تھا۔جب میں ہوش میں آیا۔میں نے چیخنے چلّانے کی بڑی آواز سنی۔غالباً یہ بلوچ فرزندوں کی چیخ وپکار تھی جنہیں ٹارچر کیا جارہا تھا۔۔دو دن تک انہوں نے ہمیں کھانے کو کچھ بھی نہیں دیا۔بھوک سے ہمارا برا حال تھا۔جب کھانا مانگتے تو ہمیں لاتھوں سے مارا جاتا۔پیشاب کیلئے بھی نہیں لے جاتے اگر لے جاتے تو وہ بھی تین یا چار منٹ کیلئے۔ان تین چار منٹوں میں پیشاب نہیں کر سکتے تھے۔اکثر اوقات پیشاب کرنے کے بعد دھونے کا کوئی موقع نہیں ملتا۔ہمیں

بلوچ قوم بلوچستان کے حالات کے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی۔ہمیں کچھ پتہ نہیں تھا کہ قوم کا کیا حال ہے۔قوم کو بھی پتہ نہیں تھا کہ ہم یہاں زندانوں میں کس حال میں ہیں۔کتنی اذیتیں برداشت کررہے ہیں۔صرف اس کو پتہ ہوگا جو جس کو زندان میں ڈال دیا گیا ہو۔ایسا لگ رہا تھا ہم کسی دوسرے دنیا میں چلے گئے ہیں۔

وقت گزرتا گیا ان کی جسمانی ٹارچر(مارنا پیٹنا،کھانا نہ دینا،الیکٹرکٹ شاک سے جسم کو کرنٹ دینا اور سگریٹ سے جسم کو جلانا وغیرہ)اور ذہنی ٹارچر(سونے نہ دینا، صبح سویرے سردی میں جسم پر سرد پانی ڈال دینا،خاندان کے افراد خاص کر بھائیوں کو اغوا اور مارنے کی دھمکیاں دینا) کی وجہ سے ہماری جسمانی اور ذہنی حالات بھی روز بروز خراب ہوئے جارہا تھا۔۔علاج کیلئے ہمیں نہ ڈاکٹروں کے پاس لے جاتے اور نہ ہی دوائیاں دیتے تھے۔

مجھے نہیں پتہ کہ ہمیں کتنے ماہ کتنے دن زندان میں رکھا گیا مجھے اپنے ساتھیوں کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا کہ وہ کس حال میں ہیں،آیا انہیں شہید کرکے ان کی لاشوں کو ویرانوں میں پھینک دیا ہے یا وہ اپنے گھر سلامتی سے پہنچ گئے ہیں۔ میں سوچوں میں گم تھا کہ اچانک دروازے پر آواز سنائی دیا۔ایک میرے کمرے میں آ گیا اور مجھ سے پوچھنے لگا۔دیکھو بلوچ تمہاری لئے یہی بہتر ہے سچ سچ بتاؤ۔کیوں خامخواہ اپنے آپکو مصیبت میں ڈال رہے ہو۔میں نے کہا مجھے کسی سیاسی رہنماء کے بارے میں کوئی علم نہیں۔وہ غصے میں آکر مجھ سے مخاطب ہوا کہ جھوٹ مت بولو۔تم فلاں تاریخ کو فلاں جگہ پر فلاں رہنماء کے ساتھ ہوٹل میں بیٹھ کر چائے پی رہے تھے اور اپنی تنظیم کے بارے میں گفتگو کررہے تھے۔۔لیکن میں نے انکار کیا کہ وہ میں نہیں تھا۔میں نے کہا کہ میں ہر روز کام پر جاتا ہوں۔صبح جا کر رات کو گھر لوٹتا ہوں مجھے کچھ نہیں معلوم کہ سیاسی کارکن کون ہیں۔اس نے مجھ سے پوچھا کہ تم کیا کام کرتے ہو۔میں نے کہا مزدوری۔روز میں کتنا کماتے ہو؟ میں نے کہا تین ،چار سو۔اس نے کہا کہ یہ مزدوری کا کام چھوڑ دو اور ہمارے لئے کام کرو۔میں نے اس کے کام کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کہا کہ کام کچھ بھی نہیں ہے لیکن تمہیں اتنے پیسے ملیں گے کہ تم اپنا نام بھول جاؤ گے۔اپنے علاقے کے سیاسی کارکنوں پر نظر رکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں۔دن کو کہاں جاتے ہیں اور رات کو کیا کرتے ہیں ہمیں ان کی رپورٹ دو۔تمہیں جو بھی چاہیے ہم تمہیں دینے کو تیار ہیں تمہاری بچوں کے تعلیم انکی حفاظت کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔لاہور میں گھر یا بنگلہ چاہیے تو بولو ہم آپکو دے سکتے ہیں۔لیکن مجھے بلوچ سرمچار حمل جیئند یاد آ گیا کہ جب وہ دشمن کے ساتھ جنگ لڑتے لڑتے پکڑے جاتے ہیں تو پرتگیزی انہیں ایسے ہر قسم کی لالچ و مراعات کی پیشکش کرتے ہیں لیکن وہ انکار کرتا ہے۔وہ اپنے ہم وطنوں اور سرزمین سے غداری اور دشمن کے سامنے سر جھکانے کی بجائے عزت کی موت کو ترجیح دیتا ہے۔ تو پھر میں کیسے پنجابی کی لالچ و مراعات کو قبول کرکے چند پیسوں کی خاطر اپنے قوم اور سرزمین سے غداری کروں۔چند پیسوں کی خاطر اپنے بھائیوں کو دشمن کے ہاتھوں اغوا کرا کے تاکہ دشمن ان کی لاشوں کو ویرانوں میں پھینک دے اور میں انکے سر کی قیمت وصول کروں جو میرے اور قوم کی بہتر مستقبل کے لئے جدجہد کررہے ہیں حتیٰ کہ اپنی جانوں تک کو قربان کررہے ہیں۔۔اور میں اپنے ہی بھائیوں کے ہاتھوں مخبری کے الزام میں مارا جاؤں تاکہ ساری قوم مجھ پر لعنت بھیجے۔میں نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ کام میں نہیں کرسکتا۔۔وہ مجھے لات مار کر چلا گیا میں زمین پر گر پڑا۔اس رات مجھے تھوڑا کھانا کھلایا گیا لیکن کھانا کھانے کے قابل نہیں تھے۔لیکن مجبوری تھی۔بلوچی میں کہاوت ہے کہ ''لاپ کہ گرایت دنتان سنگ برایت'' میں نے تھوڑا کھانا کھایا اور پیشاب کرنے کیلئے کہا لیکن اس نے میری بات نہیں سنی اور کمرہ بند کرکے چلا گیا۔ (مجھے میرے خیال میں جیل میں اب تقریباً دو سال ہو چکا تھا۔)۔

میں تھوڑی دیر کیلئے سو گیا لیکن پھر کوئی کمرے میں آ گیا۔مجھے مارنا اور گالیاں دینا شروع کیا کہ ملک کو تھوڑنا چاہتے ہو؟ بلوچستان کو آزاد کرنا چاہتے ہو۔میں بہت رویا بہت چلایا۔اس نے کہا کہ اپنے دوسرے ساتھیوں کا نام دو۔ میں نے فاروق لالو کا نام دیا کہ ہمارے علاقے کا سیاسی کارکن یہی ہے۔ فاروق لالو ہمارے علاقے کا سیاسی کارکن اور قوم دوست نہیں بلکہ ایک سماج دشمن منشیات فروش تھا جو بعد میں سرمچاروں کے ہاتھوں عبرتناک موت مارا گیا۔۔میں نے اسی کا نام دیا کیونکہ وہ ہر وقت بلوچ تحریک اور سرمچاروں کے خلاف پروپگنڈہ کرتا تھا۔میں نے سوچا کہ کیوں نہ اس کا نام دوں تاکہ اس کو پکڑ کر ایسی سبق سکھائیں تاکہ سدھر جائے اور وہ دشمن فوج سے نفرت اور بلوچ سرمچاروں سے محبت کرے۔لیکن وقت نے اسے یہ موقع نہیں دیا۔

وقت گزرتا گیا ہماری حالت روز بروز بگڑتی جارہی تھی۔ میرے خیال میں وہ

تیسری صبح تھی جب میرے کمرے کا دروازہ کھولا گیا۔تین چار آدمیوں نے مجھے اٹھایا اور کمرے سے باہر لے گئے۔میرے ہاتھوں اور پاؤں کے زنجیر اتار دیے لیکن آنکھوں پر پٹی باندھی تھی۔میں سمجھا کہ اب یہ مجھے شہید کر کے میری لاش کو دوسرے بلوچ فرزندوں کی طرح ویرانوں میں پھینک دیں گے۔انہوں نے مجھے گاڑی پر بٹھایا اور گاڑی روانہ ہوگیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔لیکن مجھے یقین نہیں آرہا تھا تقریباً دو تین گھنٹے تک چلنے کے بعد اچانک رک گئی۔انہوں نے مجھے گاڑی سے باہر نکال کر کہا کہ پانچ منٹ کے بعد اپنی آنکھیں کھول لینا۔میں نے ویسا کیا۔ پانچ منٹ کے بعد جب میں نے اپنی آنکھیں کھولیں تو۔تو کیا دیکھتا ہوں کچھ بھی نہیں۔ویران سی جگہ۔آدھے گھنٹہ کے پیدل سفر کے بعد میں نے ایک کماش کو دیکھا میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کونسی جگہ ہے۔کماش نے جگہ کا نام بتایا اور پوچھا کہ تم یہاں کیا کر رہے ہو۔میں نے کہا میں گزشتہ تین سالوں سے لاپتہ تھا آج انہوں نے مجھے جنگل میں پھینک دیا ہے ۔جب میں نے اپنی کہانی بیان کی تو وہ بے چارہ رونے لگا اور کہا کہ نہیں میرے فرزند تم نہیں آج ہزاروں بلوچ لاپتہ کیے گئے ہیں۔ان کی مائیں ابھی تک اپنے پیاروں کا انتظار کر رہے ہیں۔میں نے کماش سے کہا کہ آپ مجھے بازار تک لے جاسکتے ہو تا کہ میں گاڑی پکڑ کر گھر چلا جاؤں۔۔اس نے کہا کہ اگر تم جیسے نوجوان اپنی کم عمری میں اور اپنے کمزور بازو سے ہمارے لئے اتنے سال تک اذیت خانوں میں رہے ہیں وہاں ہمارے لئے مختلف قسم کی اذیتیں برداشت کی ہیں اگر ہم آپ لوگوں کے اتنا بھی کام نہیں آتے تو ہمارا بلوچ ہونے کا کیا فائدہ؟؟

کماش مجھے بازار تک لے گیا۔اور وہاں مجھے گاڑی میں بٹھایا میرے پاس پیسے نہیں تھے کماش نے اپنی جیب سے گاڑی کا کرایہ ادا کیا۔لیکن گاڑی والے نے جب میری داستان سنی تو اس نے بھی پیسے لینے سے انکار کر دیا۔اسی طرح میں گاڑی میں سوار ہو کر اپنے گھر پہنچ گیا ۔زندان میں جسمانی اور ذہنی اذیتوں کی وجہ سے میری دماغی حالت بھی خراب ہوگئی تھی اسلئے میں نے اپنے گھر کا راستہ بھول گیا تھا۔اسلئے میں نے دوسرے گھر کے دروازے پر دستک دی ۔ایک لڑکے نے دراوازہ کھولا۔کون ہو تم؟ وہ لڑکا ہمارا ہمسایہ تھا لیکن میری بری حالت اور بڑے دھاڑیوں والے چہرے کی وجہ سے مجھے نہیں پہچان سکا۔میں نے اپنا نام بتایا تو وہ حیران اور خوش ہوگیا۔اور بتایا کہ تمہاری ماں ہر وقت تمہارے انتظار میں تھا۔وہ ہر روز تمہاری بازیابی کیلئے بازاروں ،چوکوں پر احتجاج ، ریلیوں اور بھوک ہڑتالی کیمپوں میں شریک ہوا کرتی ہیں۔رات کو سو بھی نہ سکتیں۔وہ مجھے میرے گھر تک لے گیا۔جب میں گھر پہنچا تو ماں مجھے دیکھتے ہی خوشی سے پاگل ہوگئی اور فوراً مجھے گلے سے لگا کر رونے لگی اور کہا کہ اچھا ہوا میرا بیٹا ظالموں کے ہاتھوں سے بچ گیا۔

آج بھی ذاکر جان،ڈاکٹر دین محمد سمیت ہزاروں بلوچ فرزند اغوا کئے گئے ہیں۔وہ پتہ نہیں کس حال میں ہونگے اور کیسی کیسی اذیتیں سہہ رہے ہیں۔(ان کی مائیں کس حال میں ہیں۔ان کی حالت کو وہی ماں جانتی ہے جس کا بیٹا زندان میں ہوا ہو۔)انہوں نے چوری نہیں کیا اور نہ ہی انہوں نے کسی کا گھر اجھاڑ دیا ہے۔وہ تو میرے،آپکے اور اپنی قومی آزادی کی خاطر زندانوں میں بند ہیں۔

ہم اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے۔تو بھی اپنے ملک کو کھو بیٹھنے اور غلام بننے سے کہیں بہتر ہے۔

﴿هوچی منه﴾

شہید سنگت اسد جان مری

چی بلوچ

زندگی با مقصد ہو تو اس مقصد کو حاصل کرنا منزل ہے. اس کائنات میں بے حساب انسان جنم لیتے ہیں اور ایک دن موت کے آغوش میں چلے جاتے ہیں. لیکن ان میں عظیم انسان وہ ہے جو دوسروں کے لیئے اپنی زندگی وقف کرتا ہے اس امید کے ساتھ کہ اس کی موت اسکی زندگی کے آرزو کو پورا کردیگی کہ میرے بعد آنے والی مشکل کو اس قربانی کا پھل مل جائیگا. اس طرح کی قربانیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر ہم بغور مطالعہ کریں تو ہمیں بلوچ سرزمین پر بھی ہزاروں شہداء ملیں گے جنہوں نے اپنی زندگی دھرتی ماں کی سلامتی اور حفاظت کے لیئے قربان کر کے دشمن کے ہر قبضہ گیریت کے مذموم مقاصد کو شکست دیتے رہے. اس دھرتی ماں کی سلامتی اور حفاظت پر بلوچوں کے کئی ہزاروں پیر، ورنا، بچے اور عورتوں نے جام ءشہادت نوش کیے. ان میں سے ایک 18 سالہ خوبصورت نوجوان قاسم عرف شہید اسد مری بھی ہے.

شہید سنگت اسد مری جو کہ 18 سال کی عمر میں میٹرک کا طالب علم تھا قاسم عرف شہید اسد مری نے غلامی کی زندگی میں بلوچستان کے شورش زدہ علاقہ کاہان میں آنکھ کھولی-اس کی پیدائش بلوچ سرزمین کی خاطر سر کٹانے والی مری قوم کے ایک غریب خاندان میں ہوئی، انتہائی غریبی کی زندگی گزارنے کے ساتھ مادر وطن کی غلامی کے خلاف ہمیشہ صفحہ اول میں رہے 30. دسمبر کو خبر چلی کہ نیو کاہان کوئٹہ کے قریب دو دہشت گرد مقابلے میں مارے گئے ہیں جو کہ دونوں انتہائی خطرناک وارداتوں کی پلاننگ کررہے تھے، یہ شکست خوردہ دشمن کی نئی چال تھی کیونکہ اس نے بلوچوں پر کئی طریقے استعمال کیے لیکن دشمن بلوچ قوم کو شکست دینے میں ناکام رہی تو دشمن نے سنگت اسد اور اس کے ساتھی احمد خان کو گولیوں سے نشانہ بنایا تا کہ بلوچ قوم میں خوف پیدا ہو- بلوچ قوم بجا خوف زدہ ہونے کے بڑی تعداد میں بی. ایم. سی ہسپتال کوئٹہ جا کر مردہ خانے کے دروازے توڑ کر شہید اسد مری کی لاش کو اٹھا کر مین روڑ پے 2 گھنٹے تک ریاست کے ظلم و بربریت کے خلاف دھرنا دیا بعد ازاں قوم کی بڑی تعداد شہید کی لاش کو کاروان کی شکل میں نیو کاہان لایا گیا ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں بلوچی اعزاز کے ساتھ شہداء بلوچستان قبرستان نیو کاہان میں سپرد خاک کیا گیا. جب بھی میں شہید سنگت اسد مری کی تصویر کو دیکھتا ہوں تو اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں ایک سوال دکھائی دیتا ہے جو ہمیشہ مجھے اور مجھ جیسے غلام بلوچ فرزندوں سے کہ دشمن نے اسد کو کیوں گولیوں کا نشانہ بنایا اس نوجوان کا قصور کیا تھا-اس نے تو ابھی زندگی کو صحیح معنوں میں دیکھا ہی کہاں تھا اگر واقعی وہ دہشت گرد ہوتا تو کیا خالی ہاتھ ہوتا اور دشمن کو آسانی سے مارنے کا موقع دیتا؟ سنگت اسد مری ایک غیرت مند بلوچ فرزند تھا سنگت اسد مری جسمانی طور پر تو ہم سے جدا ہو گئے لیکن ان کے بلوچ قوم کو آزاد دیکھنے کا خواب اور ان کی سوچ ہمارے ساتھ ہیں-آیئے بلوچ شہداء کے خواب کو حقیقت میں بدلنے میں اپنا کردار ادا کریں-

قبل از آزادی کی کش مکش کے دور میں بعض حالات غیر ملکی بورژوا کے پیدا کردہ ہوتے ہیں

﴿فینن﴾

عوام پر یقین اور مضبوط تنظیم نہ ہو تو کامیابی ممکن نہیں

مرکزی چیئرمین بی ایس او (آزاد) "بلوچ خان" کا بی ایس او (آزاد) کی مرکزی کمیٹی کے دوسرے اجلاس سے خطاب

بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (آزاد) کے مرکزی کمیٹی کے دوسرے اجلاس سے بی ایس او آزاد کے مرکزی چیئرمین بلوچ خان نے خطاب کرتے ہوئے دنیا کے تمام شہیدوں کو سلام پیش کی اور کہا کہ ہم اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک ہمیں اپنے عوام پر یقین نہ ہو اور ہمارے پاس مضبوط تنظیم نہ ہو۔ ہمیں بیرونی قوتوں کے بجائے اپنی قوت اور اپنے عوام پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ جب عوام ہمارے ہم خیال بن جائیں تب ہی ہم کامیاب ہو سکتے ہیں دنیا میں مختلف اقوام نے بے شمار قربانیاں دی ہیں قربانیوں کے باوجود بھی انتشار کا شکار رہے ہیں لیکن محکوم اقوام نے قبضہ گیریت کے خلاف جہد مسلسل جاری رکھی اور اپنے عوام پر بھروسہ کرتے ہوئے انہوں نے اپنی طاقت یکجا کی اور کامیاب ہوئے۔ بلوچ تحریک آزادی کو بھی مختلف ادوار میں کامیابیوں اور ناکامیوں کا سامنا رہا جن کا اسباب جاننا ہمارے لیئے ضروری ہے۔ ہم اپنی کامیابیوں اور ناکامیوں کو مدنظر رکھ کر ہی منظّم انداز میں اپنے تحریک کو منزل تک لے جاسکتے ہیں۔ قومی تحریکیں تب ہی مضبوط ہوسکتی ہیں اور ایک طاقت ور قابض کو شکست دے سکتی ہیں جب عوام باشعور اور متحرک ہوں اور ایک موثر اور منظّم تنظیم ہو۔ اصل قوت عوام کے پاس ہے۔ جس طرح 1948 کی تنظیم مکمل کامیابی حاصل نہ کر سکا، 1965 میں اس فکر کی وجہ سے (B.P.L.F) بنا، لیکن تنظیمی کمزوریوں کی وجہ سے وہ بھی کامیابی حاصل نہ کرسکا۔ آج ہم اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ مضبوط تنظیم کا ہونا لازمی ہے۔ بقول جواہر لال نہرو "روسی عوام کو ساری دنیا میں ست، کاہل، جاہل پست ہمت کسی بڑی جدوجہد سے عاری سمجھا جاتا تھا لیکن انقلابی قیادت نے یہ کر دکھایا کہ اس انسانی خام مال کو مضبوط، منظّم اور ٹھوس عوام بنایا جسے خود پر اعتماد اور اپنے نصب العین پر پختہ یقین ہو گیا۔ جس نے کہ زار کی زور آوری کے باوجود روس میں انقلاب برپا کیا۔ روسی انقلاب سائنسی نظریہ، بہترین تنظیم و تعلیم اور انقلابی رہنماء و کارکنوں کے بدولت ہی کامیاب ہوا۔ یہ انقلاب کسی بیرونی قوت کی مدد سے کامیاب نہیں ہوا تھا بلکہ اسی عوام نے کر دکھایا جسے دنیا سست، کاہل اور جاہل سمجھتا تھا۔ عالمی طاقتیں کسی قوم کو آزاد نہیں کرا سکتے بین الاقوامی طاقتوں کی مدد و حمایت بلوچ تحریک کے ساتھ شاید ہوسکتی ہو لیکن جدوجہد اور قربانیاں بلوچ قوم کو ہی دینی پڑیں گی۔ بلوچ تحریک آزادی کسی بین الاقوامی طاقت کے مرہون منت نہیں ہے بلکہ ایک تاریخی جہد مسلسل ہے آج بلوچ تحریک آزادی کو کئی چیلنجز کا سامنا ہے جن میں مذہبی جنونیت، فرسودہ قبائلی سوچ، گماشتہ سیاسی پارٹیوں کا کردار شامل ہیں اور یہ ایک تاریخی سچائی ہے کہ ان تمام چیلنجز کا سامنا کرنے کے بعد ہی ہم دشمن پر غالب ہو سکتے ہیں۔ منظّم تنظیم، مضبوط نظم و ضبط، نظریاتی و فکری تعلیم و تربیت اور سخت احتساب کے بغیر آزادی کا حصول ممکن نہیں اور آج ضرورت اس امر کی ہے کہ بلوچ تحریک آزادی میں شامل تمام سیاسی پارٹیاں اور تنظیمیں ان اصولوں پر عمل کر کے ہی بلوچ کو ایک بہتر مستقبل دے سکتے ہیں۔ اخباری بیانات کے ذریعے ٹی وی مناظرے، اخباری کالم وقت کی ضرورت ہیں، پاکستان کے ظلم و جبر کا مقابلہ کرنے کیلیئے اپنے عوام کو منظّم کرنے کے بعد ہی دنیا کو اپنی طرف متوجہ کیا جاسکتا ہے اگر عوام میں سیاسی اور شعوری پختگی نہ ہو تو شاید بین الاقوامی اداروں میں بلوچ تحریک کے بارے میں آواز اٹھائی جاسکے اور ہم عالمی دنیا کی مدد و حمایت بھی حاصل کر لیں لیکن۔ جس آزادی کیلیئے ہم نے بے شمار قربانیاں دی ہیں شاید اس کا حصول ممکن نہ ہو۔ بلوچ قوم کی جدوجہد اور قربانیاں ایک ایسے آزاد وطن کے لئے ہیں جہاں انصاف و برابری ہو، اور آزادی پسند سیاسی پارٹیوں کے درمیان اتحاد و اتفاق کی اشد ضرورت ہے۔ لیکن اتحاد و اتفاق کیلیئے ضروری ہے کہ اتحاد و اتفاق انقلابی اصولوں اور نظم و ضبط کے بنیاد پر ہو جہاں انقلابی اصولوں کی پاسداری نہ ہونے پر سخت احتساب ہو۔ جب تک کسی سیاسی پارٹی یا تنظیم کے اندر مضبوط نظم و ضبط اور احتساب و خود احتسابی کا فقدان ہے تب تک انقلابی اصولوں اور نظم و ضبط کے بنیاد پر دیرپا اور موثر اتحاد و اتفاق ممکن نہیں۔ بلوچ تحریک آزادی میں شامل سیاسی پارٹیوں اور تنظیموں کے خلاف بلوچ دشمن قوتیں تمام ذرائع استعمال کر رہے ہیں تاکہ آنے والے پاکستانی الیکشن کی راہ ہموار کر سکیں۔ پاکستانی فوج اور عدلیہ منظّم انداز میں بلوچ تحریک آزادی کو عالمی سطح پر غیر موثر کرنے اور اسے پاکستان کا اندرونی مسئلہ قرار دے کر بین الاقوامی سطح پر سبوتاژ کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ بلوچ عوام پاکستان کے ان تمام حربوں کو سمجھیں اور اُن کے خلاف ثابت قدمی کے ساتھ جدوجہد کرتے ہوئے انہیں ناکام بنا کر بلوچ تحریک آزادی کو منزل تک پہنچائیں۔

ادارہ

بلوچ قومی تحریک آزادی عالمی و علاقائی حالات سے ہم آہنگ ہوتے ہوئے تیزی سے اپنے مقصد ''سرزمین کی آزادی'' کی جانب گامزن ہے۔ تحریک آزادی کو ایک جانب بلوچ نوجوانوں کے خون نے تیزی اور طاقت فراہم کی تو دوسری جانب آزادی پسند تنظیموں کی وقت اور حالات کے مطابق کامیاب حکمت عملیوں سے تحریک عالمی برادری کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے میں کامیابی حاصل کرچکی ہے جبکہ تحریک کی کامیابیوں نے قبضہ گیر ریاست پاکستان کے ڈھانچے میں دراڑیں پیدا کر دی ہیں ۔پاکستانی عدلیہ، پارلیمنٹ، فوج، میڈیا سمیت پاکستانی دانشور اور سول سوسائٹی اپنے مفادات کے بقاء اور پاکستان کے دم توڑتے ہوئے وجود کو زندہ رکھنے کیلئے اپنے شب و روز ایک کرتے ہوئے اپنی تمام تر قوت پاکستان کو بچانے میں صُرف کر رہے ہیں ۔ پاکستانی اداروں کی بھرپور کوشش ہے کہ بلوچستان میں اپنی شکست کو چھپانے کیلئے کسی نہ کسی طرح سے پاکستان کے پارلیمانی الیکشن منعقد کرائے جائیں جس کیلئے پاکستانی فوج پہلے سے جاری بلوچ عوام کے قتل عام کو مزید تیز کرنے کی تیاریں مکمل کرچکی ہے جس کی ابتداء مختلف علاقوں میں زرخرید قاتلوں کی سربراہی میں فوجی کاروائیوں سے کی گئی ہے۔ جبکہ مسخ شدہ لاشیں پھینکنے اور بلوچ فرزندوں کے اغواء میں بھی تیزی لائی گئی ہے جس میں قبضہ گیر پاکستانی خفیہ اداروں کے ساتھ ساتھ بلوچستان میں ان کے پیدا کردہ گماشتے بھی قبضہ گیر سے خوب اپنی وفاداریاں نبھا رہے ہیں ۔ایک طرف پاکستانی گماشتے اور زرخرید قاتل بلوچ تحریک کو غیر موثر کرنے اور آزادی پسندوں کا قتل عام کرنے میں اپنے قدم تیز کرچکے ہیں تو دوسری طرف نام نہاد حق خودارادیت کا دعویدار سردار اختر مینگل ایک مرتبہ پھر تحریک آزادی کے متعلق بلوچ عوام اور عالمی دنیا میں ابہام پیدا کرنے اور بلوچ عوام میں اپنی ختم ہوچکی ساخت کے بدلے میں پاکستان سے مراعات حاصل کرنے کیلئے پاکستانی اداروں کے ہمقدم بن چکے ہیں جبکہ پاکستان کے حمایت یافتہ سمگلر اور قاتل گروہ خضدار، ڈیرہ بگٹی، سوراب، مکران اور مستونگ سمیت بلوچستان بھر میں آزادی پسندوں کو اغواء اور ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنا کر ان کا قتل عام کر رہے ہیں۔ جبکہ چوری، ڈاکہ زنی، اغواء برائے تاوان جیسے جرائم پیشہ کارروائیاں کرکے عام عوام میں خوف و ہراس پھیلانے اور انہیں قومی تحریک سے دور رکھنے کے ناکام کوشش کر رہے ہیں۔

تاریخ آج بلوچ قوم کو اس موڑ پر لے آئی ہے جہاں ہم ظلم اور استحصال کی بنیاد پر قائم پاکستان کی قبضہ گیریت کو اپنی سرزمین سے ختم ہوتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ پاکستان کا ہر حربہ ناکامی کا شکار ہو رہا ہے جبکہ ہمیشہ سے کبھی ظاہراً تو کبھی اندرون خانہ بلوچ نسل کشی کرنے، بلوچ سرزمین کا سودا کرنے اور سرزمین کے سینے کو ایٹمی ہتھیاروں سے چھلنی کرنے میں قبضہ گیر کے معاون بلوچ کے بھیس میں بلوچوں کے قاتل بے نقاب ہوچکے ہیں۔

آزادی پسند رہنماؤں اور نوجوانوں کی شہادتوں، ہزاروں فرزندوں کی عقوبت خانوں میں سہنے والی اذیتوں اور محاذ پر سرمچاروں کی قربانیوں نے بلوچ قوم کو اپنے مقصد کیلئے عزم اور قربانی کا مضبوط جذبہ فراہم کیا ہے جو کہ آزادی کیلئے جد وجہد میں ہماری فتح اور پاکستان کی شکست کی ضامن ہے۔ اس میں کوئی مبالغہ آرائی نہیں کہ نام نہاد ریاستی گماشتہ سیاسی، مذہبی و قبائلی گروہ الیکشن میں حصہ لیکر قومی غلامی کو طول دینے کی کوشش میں ہیں۔ اب بلوچ عوام پر یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان ریاستی گماشتہ گروہوں کی الیکشن کا حصہ نہ بنیں۔ ا ئیں ہم پاکستانی الیکشن کا بائیکاٹ کرکے قبضہ گیر ریاست پاکستان، اسکے زرخرید قاتلوں، گماشتوں اور پارلیمانی الیکشن میں حصہ لے کر بلوچ شہداء کے خون کا سودا کرنے والے پاکستان کے پارلیمانی حواریوں کا احتساب کرکے اپنے عظیم شہداء و اسیران کے کاروانِ آزادی کو آگے بڑھاتے ہوئے اسے منزل مقصود تک پہنچائیں۔

پہلے کی نسبت آج قومی تحریک میں خواتین کی شراکت زیادہ ہے

مرکزی سینئیر وائس چیئرپرسن بی ایس او(آزاد) "بانک کریمہ بلوچ " کا وش ٹی وی کو دیا گیا انٹرویو

وش ٹـــی وی:۔ آواران میں کونسل سیشن کے انعقاد کے بعد بی ایس او (ازاد) کے لیڈرشپ کو کیوں خفیہ رکھا گیا؟ اُسے سامنے کیوں نہیں لایا گیا؟

کـریـمـہ بلوچ:۔ سیکیورٹی وجوہات کی بناء پر بی ایس او کے لیڈرشپ کو سامنے نہیں لایا گیا اور آئندہ بھی نہیں لائیں گے ۔کیونکہ بی ایس او (آزاد) کا لیڈرشپ ٹارگٹ پر ہے۔ پاکستان ہمارے رہنماؤں اور ممبران کو نشانہ بنا رہا ہے۔ شہید قمبر چاکر، شہید کامریڈ قیوم، شہید شفیع بلوچ سمیت ہمارے کئی دوسرے ساتھی جو ہمارے لیے لیڈر کی حیثیت رکھتے تھے سب کو اغواء کر کے انتہائی تشدد کے بعد شہید کر کے اُن کی لاشیں پھینک دی گئیں۔ذاکر مجید جو بے پناہ سیاسی بلوغت، زانت اور قائدانہ صلاحیتوں کے مالک ہیں، آج بھی پاکستانی خفیہ اذیت خانوں میں اذیتوں سے گُزر رہے ہیں ۔تو ایسے میں جب دشمن اپنی حکمتِ عملی تبدیل کرے تو پھر سیاسی پارٹیوں اور تنظیموں کے لیے بھی لازمی ہوتا ہے کہ وہ اپنا طریقہ کار تبدیل کریں۔ایسے میں اپنے ساتھیوں کو سڑکوں پر مروانے کیلئے نہیں لا سکتے، اگر ہم نے ایسا کیا تو یہ ایسا ھوگا کہ ہم خود پاکستانی ریاست کو یہ موقع دے رہیں ھیں کہ وہ ھمیں ختم کرے۔

وش ٹی وی:۔ بانک کریمہ! جیسا کہ آپ خود کہہ رہی ہیں کہ حالات ایسے ہیں کہ آپ بی ایس او کے لیڈرشپ کو سامنے نہیں لا سکتے تو کریمہ بلوچ بھی بی ایس او (آزاد) کے مرکزی وائس چیئرپرسن ہیں تو اُن کا نام کیوں سامنے لایا گیا جو خود آج یہاں ہمارے ساتھ بیٹھی ہیں تو کیا اُن کیلئے سکیورٹی کا مسئلہ نہیں ھے؟

کـریـمـہ بلوچ:۔ کسی بھی تنظیم کا فیصلہ فردی نہیں ہوتا ہے، میرے لیے بھی سیکیورٹی کا مسئلہ ہے مگر ہم نے مجبوری میں یہ فیصلہ لیا ہے کیوں کہ بُہت سی ذمہ داریاں سنبھالنی ہیں، جیسا کہ میڈیا میں اپنے تنظیم کی نمائندگی کرنا وغیرہ۔

وش ٹـــی وی:۔ بانک کریمہ! جیسا کہ آپ کہہ رہی ہیں کہ لیڈرشپ کو سامنے نہ لانا بی ایس او (آزاد) کی سیاسی حکمتِ عملی ہے، آپ لوگوں نے نئی حکمتِ عملی اپنائی ہے تو کیا آپ یہ کہہ سکتی ھیں کہ بی ایس او پہلے غلط حکمتِ عملی پر گامزن تھی جسے بدلنا پڑا۔۔؟

کـریـمـہ بلوچ:۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ بی ایس او (آزاد) کی پہلے والی حکمتِ عملی غلط تھی ۔ یہ وقت اور حالات پر منحصر ہے ۔جیسے جیسے بلوچ قومی تحریک آگے بڑھتی گئی اور کامیابی کے مراحل طے کرتی گئی تو اِسے ناکام بنانے کے لیے دشمن نے نئے نئے طریقے اپنائے ،نئی نئی حکمت عملیاں ترتیب دیں تو ایسے حالات میں بحیثیتِ ایک سیاسی تنظیم ہمیں بھی اپنے تحریک کو زندہ رکھنے اور کامیاب بنانے کے لیے نئی حکمتِ عملیاں اپنانی پڑیں، اِس کا مطلب یہ نہیں کہ پہلے بی ایس او کی حکمت عملی غلط تھی۔سیاست میں، قومی جنگوں میں حالات ایک سے نہیں رہتے۔

وش ٹـی وی:۔ مشرف کے دور میں بھی حالات ایسے تھے تو کیا آپ کو نہیں لگتا کہ بی ایس او (آزاد) کو کچھ سال پہلے یہ طریقہ اپنا لینا چاہیئے تھا تو ابھی جتنا نقصان ہوا ھے اُس سے محفوظ رہا جا سکتا؟

کـریـمـہ بلوچ:۔ دیکھئے جیسا کہ میں پہلے وضاحت کر چُکی ہوں کہ وقت اور حالات کے ساتھ طریقہ کار میں تبدیلی لایا جاتا ہے ۔اُس وقت سیاسی تحریک چلانے کے لیے بی ایس او (آزاد) کے کارکنوں کو Physically ہر جگہ موجود ہونے کی ضرورت ہوا کرتی تھی، عوام کو Mobilise کرنے کے لیے سیاسی جلسے جلوس کرنے پڑتے تھے، آج اسی کی بدولت عوام کل کی نسبت آج زیادہ باشعور ہو چُکی ہے ۔بی ایس او نے سیاسی Work کیا ہے ، سیاسی Campaign چلائے ہیں۔اگر یہ سب نہیں ہوتا تو یہ آگہی کہاں سے آتی۔

وش ٹی وی:۔ بانک کریمہ! بی ایس او (آزاد) ایک سٹوڈنٹس آرگنائزیشن ہے، مگر آج وہ بلوچستان میں سیاسی جدوجہد کر رہی ہے۔ دنیا کی دوسری تحریکوں میں جہاں سخت حالات آئے اور سیاسی و انقلابی تنظیموں کو اپنی حکمتِ عملی بدل کر انڈرگراؤنڈ ہونا پڑا۔آج بی ایس او (آزاد) بھی انڈرگراؤنڈ ہے تو آپ ہمیں یہ بتائیں کہ آیا بی ایس او (آزاد) اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن ہے یا ایک انقلابی آرگنایزیشن؟

کریمہ بلوچ:۔ جی! بی ایس او آزادی و انقلاب کی بات کرتی ہے۔ اُس کے لیے جدوجہد بھی کر رہی ہے مگر بی ایس او (آزاد) ایک سٹوڈنٹس آرگنائزیشن ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ بی ایس او (آزاد) بالکل بھی انڈر گراؤنڈ نہیں ہے۔ بی ایس او آج بھی اُسی شکل او انداز میں بلوچ عوام میں موجود ہے، آج بھی اپنے دہقان و سپانک کے اُتنا ہی قریب ہے اور اُسکی سیاسی تربیت کر رہی ہے۔ ہم نے حالات کے پیش نظر اپنی سیاسی سرگرمیوں کو محدود رکھا ہے۔ کیوں کہ یہ ہماری مجبوری ہے۔ اور یہ ریاستی دہشتگردی کی بدترین شکل ہے کہ وہ ہمارے کمسن ساتھیوں تک کو اغواء کر کے انتہائی اذیتوں سے گزار کر اُن کی لاشوں کو ویرانوں میں پھینک دیتا ہے، جو بالکل بھی Teenage ہیں یا آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس سے بھی کم عمر کے۔ آپ کمسن بالاچ، مجید زہری اور ہمارے دوسرے کمسن ساتھیوں کی مثال دیکھ سکتے ہیں۔ بیشک عمل کی ضرورت ہے مگر عمل کیلئے عملی لوگوں کی بھی ضرورت ہے، جنہیں ہم Expose کر کے گنوانا نہیں چاہتے جو اس تحریک کے لیے قیمتی ہیں۔

یہ ریاستی دہشتگردی کی بدترین شکل ہے کہ وہ ہمارے کمسن ساتھیوں تک کو اغواء کر کے انتہائی اذیتوں سے گزار کر اُن کی لاشوں کو ویرانوں میں پھینک دیتا ہے، جو بالکل بھی Teenage ہیں یا آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس سے بھی کم عمر کے۔

وش ٹی وی:۔ بی ایس او ایک طلبہ تنظیم ہے تعلیمی حوالے سے جسکی ذمہ داریاں زیادہ بنتی ھیں۔ لیکن اِس حوالے سے بی ایس او کا کردار نظر نہیں آرہا؟

کریمہ بلوچ:۔ ہم نے کبھی بھی تعلیم کی مخالفت نہیں کی ہے بلکہ ہمارے معاشرے میں جب بھی نوجوان نسل نے تعلیم حاصل کرنا چاہا ہم نے اُس کی حاصلہ افزائی کی۔ بلکہ یہ ہمارے تنظیم کی پالیسی ہے کہ اگر کوئی بلوچ دنیا کے کسی بھی تعلیمی ادارے میں پڑھنا چاہے تو ہم اُسے Appreciate کریں گے اور بی ایس او سے جو بھی مدد بن پائیگا وہ کریگا۔ باقی اگر آپ پاکستانی اداروں کی تعلیم کو ایک حقیقی تعلیمی نظام تصور کرتے ھیں تو میں نہیں سمجھتی کہ ایسا ہے۔ پاکستان ہی نہیں بلکہ دنیا کے کسی بھی قابض ریاست نے اپنے زیردست قوم کو حقیقی تعلیم نہیں دی ھے۔ میں یہ مانتی ہوں کہ تعلیم وہ ہے جو شعور دے، جو سوچنے سمجھنے کی راہیں کھول دے۔ پاکستانی نوآبادیاتی نظام تعلیم میں ہمارے پڑے لکھے لوگ زیادہ تر بے شعور اور غلامانہ ذہنیت کے حامل بن جاتے ہیں۔ یہاں پر جو تاریخ پڑھائی جاتی ہے وہ ہی جھوٹ پر مبنی ہے، جہاں صلاح الدین ایوبی، تیمور، نادر اور غوری کو اپنے تاریخی ہیروز کی شکل میں پیش کر رہے ہیں اصل میں وہ دوسری قومیت کے لوگ تھے جو عرب اور دسرے اقوام سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ لوگ فاتح (Qonqueror) تھے۔ انہوں نے یہاں آکر انکی سرزمین کو فتح کیا جنہیں آج یہ اپنا ہیروز مانتے ھیں۔ ہم اسے تعلیم نہیں مانتے۔ ہم ایک آزاد ریاست کیلئے جدوجہد کر رہے ھیں۔ اور ہماری خواہش ہے کہ آزاد بلوچستان میں ہم ایک ایسا Sophisticated اور منظّم تعلیمی نظام رائج کریں جو کہ دنیا کے جدید ترین تعلیمی نظام (educational system) سے ہمقدم ہو۔

وش ٹی وی:۔ بی ایس او (آزاد) کے پاکستانی سپریم کورٹ کے بارے میں کیا تاثرات اور کیا موقف ہے۔؟

کریمہ بلوچ:۔ باقی اداروں کی طرح سپریم کورٹ بھی پاکستان کا ایک ادارہ ہے اور سپریم کورٹ کو بلوچستان پاکستان سے عزیز تر نہیں ہے وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے پاکستان بچانے کے لیے کر رہا ہے۔ جو ایک گیم ہے دنیا کو یہ دکھانے کے لیے کہ پاکستانی ادارے بلوچوں کے ساتھ مخلص ہیں۔ بلوچستان میں انسانی حقوق کی پامالیوں پر دنیا پاکستان پر جو دباؤ ڈال رہی ہے پاکستانی سپریم کورٹ اس دباؤ کو کم کرنے کی تگ و دو میں ہے۔

وش ٹی وی:۔ بی ایس او (آزاد) کس طرح دیکھتی ہے۔ اختر مینگل کا سپریم کورٹ آنا، لاپتہ افراد کے حوالے سے اپنا بیان ریکارڈ کرانا اور چھ نکاتی ایجنڈا سامنے لانا۔ بی ایس او (آزاد) کا کیا مواقف ہے اِس بارے میں۔؟

کریمہ بلوچ:۔ اختر مینگل کا ان حالات میں پاکستانی عدالت میں پیش ہو کر اس پر اعتماد کا اظہار کرنا اُنکے کردار کو مشکوک بناتا ہے۔ ان کے اس عمل سے ایسا محسوس ہوتا ہیکہ دوسرے سرداروں کی طرح ان کو بھی اپنا شیئر چاہیے اور پاکستان کو اختر مینگل جیسے لوگوں کی ضرورت ہے، دنیا کو یہ دکھانے کے لیے کہ بلوچ آزادی نہیں چاہتے بلکہ پاکستانی فریم ورک میں اپنے حقوق چاہتے ہیں۔ ایک طرف جہاں دنیا کے مہذب ممالک نے بلوچستان میں انسانی حقوق کی

پامالی کرنے پر پاکستان دباؤ ڈالا ہے اور اس حوالے سے US State Department کے ترجمان کا بیان سامنے آیا ہے ایسے میں اس پریشر کو کم کرنے کے لیے یہ سارا کھیل کھیلا جارہا ہے۔اختر مینگل کا یہ کہہ کر بیرون ملک جانا کہ یہاں اُن کے لیے خطرہ ہے اوران حالات میں پاکستان آنا۔یہ سب اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ اُسے کسی اور جانب سے گرین سگنل ملا ہے۔یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ پاکستانی عدلیہ جو بھی کرتی ہے،خفیہ اداروں کے ایماء پر ہی کرتی ہے۔

وش ٹی وی:۔لیکن اختر مینگل نے یہ بھی کہا ہے کہ لوگ میرے سپریم کورٹ میں پیش ہونے کے خلاف بولتے ہیں،مگر لاپتہ افراد کے لواحقین مجھ سے پہلے عدالت گئے ہیں اپنے رشتہ داروں کے لیے اُنہیں کوئی کچھ نہیں کہتا۔؟

کریمہ بلوچ:۔ یہ بات انھوں نے مسنگ پرسنز کے لواحقین کا حوالہ دے کے کہا تھا کہ بلوچ مائیں عدالت میں جا کر دامن پھیلا کہ اپنے بچوں کا بھیک مانگتی ھیں ۔مگر اختر مینگل یہ بات جان لیں کہ بلوچ ماؤں نے کبھی پاکستانی عدالت میں دامن پھیلا کر بھیک نہیں مانگی ہے وہ اپنے عزیزوں کیلئے تحریک چلارہی ہیں اور اِس بنیاد پر کیس لڑرہی ہیں کہ اُن کے بچوں کو سیاسی ورکر،ادیب اور رائٹر ہونے کی بنیاد پر اُٹھایا گیا ہے لہٰذا انہیں منظرِ عام پر لا کر اُن کے ساتھ سیاسی قیدیوں جیسا روا رکھا جائے۔

وش ٹی وی:۔ نصراللہ اور ماما قدیر بلوچ سپریم کورٹ جائیں تو ٹھیک ہے کوئی بات نہیں۔مگر جب اختر مینگل جائیں تو غلط ہے،متضاد نظر آتا ہے۔؟

کریمہ بلوچ:۔ دیکھیئے نصراللہ اور ماما قدیر بلوچ سیاسی تحریک چلارہے ہیں ،اُن بلوچوں کیلئے جو جبری طور پر اغواء کیے گئے ہیں،اُن کی جد جہد تاریخی ہے، کیونکہ آزادی کی تحاریک میں جہاں کہیں ایسے واقعات سامنے آئے تو وہاں کی مردوں اور عورتوں نے سڑکوں پر نکل کر اپنے قوم کے فرزندون کیلئے ایسی ہی تحریکیں چلائی ہیں جو کہ تاریخ کا حصہ ھیں۔آپ ماما قدیر بلوچ کے کردار کو اختر مینگل کے کردار سے نتھی نہ کریں۔اختر مینگل قوم پرستی کے نام پر دنیا کو بلوچ کیس کے حوالے سے گمراہ کرنے کے لیے اُن لوگوں کا نام استعمال کر رہا ہے جنہوں نے اس تحریک کے لیے قربانیاں دی ہیں جو شہید کیے گیے ہیں، جو آج اذیت خانوں میں اذیتیں سہہ رہے ہیں۔اور اختر مینگل کے چھ نکات میں کہیں بھی آزادی کا ذکر نہیں ہے۔

وش ٹی وی:۔ بی ایس او (آزاد) کس نظر سے دیکھتی ہے اِس بات کو؟ کیا وہ مطمئن ہے کہ بلوچ قومی تحریک واقعی حقیقی معنوں میں آزادی کے راستے پر گامزن ہے؟

کریمہ بلوچ:۔ جی ہم پُر اُمید ہیں اس تحریک سے۔اگر ہم چھ سات سال پہلے کی نسبت دیکھیں تو آج بُہت بڑی تبدیلی نظر آرہی ہے۔آزادی کی جدوجہد اپنی رفتار سے آگے بڑھ رہی ہے۔کل اور آج کی تحریک میں بہت بڑا فرق نظر آرہا ہے ۔کل کی نسبت آج بلوچ عوام زیادہ Mature اور زیادہ باشعور ہے ۔ھر چیز کو سمجھتی ہے۔آج قومی تحریک وہاں ہے جہاں عوام کی حمایت اس کے ساتھ ہے بلکہ عوام عملی طور پر تحریک کے ساتھ ہے اُس کیلئے قربانیاں دے رہی ہے۔چھ سات سال پہلے ایسا نہیں تھا ۔آج بلوچ عوام سرمچاروں کو اپنا ہیرو مانتی ہے۔آزادی کی تحریک میں کُچھ بھی Calculated نہیں ہوتا۔ہم عوام کو دھوکے میں نہیں رکھنا چاھتے کہ آزادی کتنا قریب ہے اس کا کوئی مختص وقت نہیں۔کیونکہ لیڈر اور سیاسی تنظیمیں عوام کو ہمیشہ سچائی کا آئینہ دکھاتی ہیں۔ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کب تک آزادی ملے گی لیکن اگر سیاست اور جدوجہد اسی رفتار سے آگے بڑھتی رہے تو ہمیں یقین ہے کہ ہم اپنی منزل سے قریب تر ہو جائیں گے۔

وش ٹی وی:۔ کیا حالات بلوچ قومی تحریک کے لے سازگار ھیں؟ گراؤنڈ ریلیٹیز اس بات کی اجازت دیتی ھیں؟ آپ کو لگتا کہ بلوچ تحریک کی شروعات کے لیے یہ صحیح وقت ہے۔کیا یہ جنگ بلوچ قومی مزاج کے مطابق ہے؟

کریمہ بلوچ:۔ قومی جدوجہد ہمارے مزاج کا پابند نہیں،قومی جنگ کے

> اگر زیادہ وقت قبضہ گیر کو دیا جائے تو وہ ہمارے قومی شناخت کو اُتنا ہی زیادہ تیزی سے نقصان پہنچائے گا اور ہمیں بحیثیت قوم ختم کرنے میں کامیاب رہیگا۔غلام قومیں اس بات کے انتظار میں نہیں بیٹھ سکتی کہ حالات اُن کے حق میں ہوں تب جا کے وہ جدوجہد کریں۔غلام قوموں کو اپنے حق میں ایسے حالات پیدا کرنے کے لیے جدوجہد کرنی پڑتی ہے جو اُن کے حق میں ہو۔

تقاضے کیا ھیں یہ ہمیں دیکھنا ہے۔قومی شناخت کیلئے صحیح وقت میں بلوچ قومی تحریک شروع ہوئی اگر زیادہ وقت قبضہ گیر کو دیا جائے تو وہ ہمارے قومی شناخت کو اُتنا ہی زیادہ تیزی سے نقصان پہنچائے گا اور ہمیں بحیثیت قوم ختم کرنے میں کامیاب رہیگا۔غلام قومیں اس بات کے انتظار میں نہیں بیٹھ سکتی کہ حالات اُن کے حق میں ہوں تب جا کے وہ جدوجہد کریں۔غلام قوموں کو اپنے حق میں ایسے حالات پیدا کرنے کے لیے جدوجہد کرنی پڑتی ہے جو اُن کے حق میں ہو۔

وش ٹی وی:۔ بیرون ممالک بلوچ لیڈرشپ کے درمیان تضاد نظر آرہا ہے۔حیربیارمری نے جو چارٹر آف لبریشن پیش کیا ہے اُس پر براہمدغ بگٹی کے تحفظات ہیں اور اُن کا کہنا ہے کہ خیربخش مری کے بھی تحفظات ہیں۔اس چارٹر کے حوالے سے بی ایس او (آزاد) کیا کہتی ہے۔؟

کریمہ بلوچ:۔ میں نہیں سمجھتی کہ کوئی ایسا مسئلہ حقیقت میں ہے۔ہاں البتہ اختلافات اور اختلاف رائے ایک ہی پارٹی کے لوگوں اور ایک ہی فکر رکھنے والے جماعتوں کے درمیان بھی ہو سکتے ہیں۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان میں کوئی بڑا فکری تضاد ہے۔چارٹر آف لبریشن پر براہمدغ بگٹی اور سردار خیربخش مری کو بھی اختلاف ہوسکتا ہے مگر میں نہیں سمجھتی کہ یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ ہے یا کوئی بڑا فکری تضاد ۔فکر، راستہ اور منزل ایک ہیں۔جن جن نکات پر اختلافات ہیں اُنہیں آپس میں بیٹھ کر بات چیت کے ذریعے حل کیا جا سکتا ہے۔ہر پارٹی کی اپنی سیاسی پالیسیاں ہیں، اپنا طریقہ کار ہے۔یہ چارٹر ابھی زیر بحث ہے جو کہ ابھی حتمی شکل میں سامنے نہیں آیا ھے۔جب مختلف جماعتیں بیٹھ کر اس پر بات کریں گے تو کمی بیشی ہوگی۔جن نکات پر اختلافِ رائے ہے ان پر بات ہوگی، رائے دہی ہوگی تب یہ خوبصورت اور حتمی شکل میں عوام اور میڈیا کے سامنے لایا جائیگا۔

وش ٹی وی:۔ بی ایس او (آزاد) کا کیا مواقف ہے چارٹر آف لبریشن کے بارے میں۔کیا بی ایس او (آزاد) چارٹر آف لبریشن کی حمایت کرتی ہے۔؟

کریمہ بلوچ:۔ یہ ایک مثبت اقدام ہے۔تمام آزادی پسندوں کو اس مثبت کوشش کی حمایت کرنی چاہیے۔اس پر بات چیت ہو رہی ہے۔جب ایک اتحاد کی شکل میں سب بیٹھ کر اس پر حتمی فیصلہ کریں گے اور عوام کے سامنے لائیں گے تب یہ قومی چارٹر کی حقیقی شکل ہوگی۔ابھی یہ زیرِ بحث ہے۔

وش ٹی وی:۔ کیا آپ کو نہیں لگتا کہ بی ایس او (آزاد) اور دوسرے آزادی پسند پارٹیوں کا رویہ انتہائی سخت ہے۔پہلے دوسرے جمہوری جماعتوں کے ساتھ جو احترام کا رویہ تھا وہ اب نہیں رہا۔اور اب بی ایس او ہر کسی کو غداری کا سرٹیفکٹ دے رہا ہے۔؟

کریمہ بلوچ:۔ بی ایس او نے کبھی بھی کسی کو غداری کا سرٹیفکٹ نہیں دیا اور بی ایس او کا کام یہ نہیں کہ وہ کسی کو غداری کا سٹیفکیٹ دے۔ بی ایس او عوام کے سامنے سچ کو پیش کرنا اپنی قومی ذمہ داری مانتی ہے اور وہ نام نہاد قوم پرستوں کی حقیقت کو قوم کے سامنے واضح کر کے اپنا قومی فرض نبھا رہی ہے۔عوام کو دھوکے سے محفوظ رکھنا اور قومی جنگ کے تقاضوں سے متعارف کرانا، حقیقی اور نام نہاد اور مفاد پرست قوم پرستوں کے درمیان فرق کو جاننے میں ان کی رہنمائی کر رہی ہے۔ بی ایس او (آزاد) خود ایک جمہوری سیاسی تنظیم ہے۔

وش ٹی وی:۔ بی،ایس،او (آزاد) کیا مواقف رکھتی ہے اس بارے میں کہ کیا وہ پاکستان کے ساتھ کوئی سیاسی مذاکرات کریگا۔بندوق کسی مسئلے کا حل نہیں۔بات چیت کے ذریعے بھی مسئلے کو حل کیا جا سکتا ہے۔؟

کریمہ بلوچ:۔ پاکستان کے ساتھ بات چیت نہیں ہوسکتی۔ہماری سرزمین پر جبری قبضہ کیا گیا ہے جس کے خلاف ہم جدوجہد کر رہے ہیں۔البتہ دنیا کے مہذب ممالک اور اقوام متحدہ آئیں تو اس مسئلے پر بات ہوسکتی ہے جیسا کہ اقوام متحدہ کے اپنے چارٹر کے مطابق ہر قوم کو اپنی زمین پر اپنی مارضی کے مطابق آزاد رہنے کا حق ہے۔اور کون کہتا ہے کہ بندوق کسی مسئلے کا حل نہیں ہے۔اسی بندوق کے زُور پر پاکستان نے ہمارے آزاد ریاست پر قبضہ کیا ہے اور آج بھی بندوق کے زور پر بلوچ قوم پر مُسلط ہے۔دنیا میں جتنی سیاسی قومی جنگیں لڑی گئی ہیں اُن میں بندوق کا بھی کردار رہا ہے۔بی ایس او (آزاد) مسلح جدوجہد نہیں کر رہی ہے ،ایک سیاسی اسٹوڈنٹ آرگنائزیشن ہے مگر ہم بلوچ مزاحمت کاروں کی مکمل حمایت کرتے ہیں جو بلوچ قومی آزادی کیلئے جدوجہد کر رہے ہیں۔

وش ٹی وی:۔ آپ اقوام متحدہ سے کیا اُمید رکھتے ہیں، محترمہ بینظیر بھٹو جو کہ صدر پاکستان آصف علی زرداری کی شریکِ حیات بھی تھیں، اقوام متحدہ نے انکے قتل کی تحقیقات کیلئے کمیٹی بنائی تھی مگر آج تک اُنکے قاتلوں کو ڈھونڈنے میں کامیاب نہیں ہوئی۔آپ کو لگتا ہے کہ وہ بلوچستان کا مسئلہ حل کرنے میں کوئی کردار ادا کرسکتا ہے۔؟

کریمہ بلوچ:۔ دنیا میں جہاں بھی قومی جنگیں ہوئیں، تحاریک کامیابی کی طرح بڑھیں، قابض کی طرف سے ظلم اور تشدد انتہا کو پہنچ گئی تب اقوام متحدہ کے امن فورس نے مُداخلت کی۔آج بلوچستان میں ظلم و جبر انتہا کو ہے۔ پاکستان نے بلوچ قوم کا Selective Genocide (چُن چُن کر مارنا) شروع کر کے بلوچ معاشرے کے cream، اُس کے Ideals پڑھے لکھے اور قابل ترین لوگوں کو نشانہ بنانا شروع کر دیا ہے۔ دنیا یہ سب کچھ دیکھ رہی ہے کہ بلوچ حالت جنگ میں ہے، مارا جا رہا ہے۔لاپتہ افراد کے متعلق چھان بین کیلئے اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ کا بلوچستان آنا ایک مثبت قدم ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ایک کامیابی ہے ہماری دنیا کی طرف۔ہمیں اُمید ہے کہ آگے چل کر اقوام متحدہ زیادہ سے زیادہ ایکشن لے گا نہ صرف اِس مسئلے پر بلکہ آزادی کے ایشو پر بھی۔ ہم اپیل کرتے ہیں کہ دنیا ہماری تحریک کو بحیثیتِ آزادی کی تحریک قبول کرے جیسا کہ اقوام متحدہ کا وفد یہاں آیا، سب کچھ قریب سے دیکھا، لوگوں کے خیالات سنے۔ یہ سب ہمارے لوگوں کی قربانیاں ہیں۔ دنیا یہ قتل و غارت گری دیکھ رہی ہے۔ ہم خاموش نہیں رہیں گے پاکستانی ریاست جتنا قتلِ عام کریگا ہم اُتنی شدت سے تحریک کو آگے بڑھائیں گے۔

وش ٹی وی:۔ بی ایس او (آزاد) کیا سمجھتی ہے، بلوچستان میں آئندہ الیکشن کی پوزیشن کیا ہوگی۔؟

کریمہ بلوچ:۔ آج بلوچ قوم اتنی باشعور ہو چکی ہے کہ وہ الیکشن کے دھوکہ میں نہیں آئیگی۔اس سے قبل بھی الیکشن ہوئے تو بلوچ قوم نے اسکا خود بائیکاٹ کیا جس کا اندازہ ووٹ دینے کے ریشو سے واضح ہو جاتا ہے۔ پاکستانی الیکشن سے دنیا واقف ہے پاکستان کی تاریخ میں کبھی شفاف انتخابات نہیں ہوئے۔ بلوچ قوم اگر ووٹ دینے نہ بھی جائے تو یہ لوگ خوجعلی ووٹوں سے دنیا کو گمراہ کرنے کا کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔ ہماری تحریک جاری ہے ہم عوام میں پاکستانی پارلیمنٹ کے بارے میں آگاہی پھیلا رہے ہیں۔عوام کو Mobilise کر رہے۔

> چھ سال قبل ایک سیاسی کارکن کے طور پر جب میں نے بی ایس او (آزاد) کے فلیٹ فارم سے سیاست کا آغاز کیا تب خواتین سیاست سے بالکل غافل تھیں۔لیکن آج چھ سال بعد ہم دیکھتے ہیں کہ بلوچ خواتین قومی فکر و شعور سے لیس ہیں۔

وش ٹی وی:۔ آپ الیکشن کے خلاف عوام میں کیوں Mobilisation کر رہے ہیں۔ یہ لوگوں کا جمہوری حق ہے۔ یہ فیصلہ عوام پر چھوڑ دیں اگر وہ اپنا یہ جمہوری حق استعمال کرنا چاہتے ہیں۔؟

کریمہ بلوچ:۔ آج ریاست پاکستان کے جبر سے ہر بلوچ گھر مُتاثر ہے۔ یہ جو سیاسی ورکرز شہید یا اغواء کیے گئے ہیں یہ عام بلوچ دہقان، چرواہے اور مزدور کے بچے ہیں۔تو پھر عوام اس ریاست کے اداروں میں ووٹ کیسے دے سکتی ہے؟ بلوچ قوم آج حالتِ جنگ میں ہے اور جو قومیں Nationalism کی بنیاد پر جنگیں لڑ رہی ہوتی ہیں وہ قابض ریاست کے تمام اداروں کا بائیکاٹ کرتی ہیں اگر بلوچ پاکستانی اداروں کا حصہ بنے تو دنیا اس جنگ کو بطورِ قومی آزادی کی جنگ کبھی قبول نہیں کریگا۔آج بلوچ قوم خود باشعور ہو رہی ہے۔عوام نے اتنی ساری قربانیاں دی ہیں اس تحریک کے لیے تو سیاسی انقلابی اور عوامی تنظیموں کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ سچائی کو عوام تک پہنچائیں، اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو وہ حقیقی معنوں میں قومی سیاسی تنظیمیں نہیں کہلائیں گی۔

وش ٹی وی:۔ سیاسی حوالے سے آپ بلوچ خواتین کے کردار کو کس طرح دیکھتی ہیں۔؟

کریمہ بلوچ:۔ ہم آج کے بلوچ خواتین کے کردار سے پر امید ہیں۔ چھ سال قبل ایک سیاسی کارکن کے طور پر جب میں نے بی ایس او (آزاد) کے فلیٹ فارم سے سیاست کا آغاز کیا تب خواتین سیاست سے بالکل غافل تھیں۔لیکن آج چھ سال بعد ہم دیکھتے ہیں کہ بلوچ خواتین قومی فکر و شعور سے لیس ہیں۔ بدقسمتی سے اگر قومی تحریک کی تاریخ پر نظر دوڑئیں تو یہ نظر آتا ہے کہ خواتین کو قومی تحریک میں نظرانداز کیا گیا تھا۔ ہم خواتین کی سیاسی تربیت کرنے اور انہیں قومی تحریک میں زیادہ سے زیادہ متحرک کرنے کی پالیسی پر کام کر رہے ہیں۔ وہ دن دور نہیں کہ مردوں کے ساتھ بلوچ خواتین کا جدوجہد میں برابر کا حصہ ہوگا۔

اختر مینگل یقیناً ایک سمجھوتے کے تحت اسلام آباد گیا ہے

میر حیربیار مری کا روزنامہ توار سے خصوصی انٹرویو

بلوچ قوم دوست رہنماء حیر بیار مری نے عملی سیاست کا آغاز افغانستان میں مقیم اپنی جلاوطنی کے دوران کیا وہ بلوچ سیاست میں روز اول سے ہی روایتی سیاسی طریقہ کار سے ہٹ کر قومی حق حاکمیت اور قومی آزادی کیلئے سرگرم عمل رہے اور اس کیلئے عملی کردار ادا کرتے رہے واجہ حیر بیار مری نے اپنے فکری ساتھیوں کے اسرار پہ 1997 کے الیکشن میں حصہ لیکر اپنے آبائی علاقے سے صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے لیکن صوبائی اسمبلی کے پہلے سیشن کے دوران انہوں نے پاکستان سے وفاداری کا حلف لینے سے انکار کرتے ہوئے بلوچ قومی وطن سے وفاداری کی روایت کو برقرار رکھا سیاسی تجزیہ نگاروں کے مطابق واجہ حیر بیار مری نے اپنی وزارت کے دوران نہ صرف بلوچ قومی سیاست کیلئے ہر ممکن حد تک راہ ہموار کی ، بلکہ اس دوران وزارت سے جُڑے وسائل کو بلوچ قومی سیاست کے ذرائع کیلئے بروئے کار لاتے ہوئے انقلابی انداز میں استعمال کیا جو بلوچ قومی سیاست میں ایک اہم انقلابی قدم ثابت ہوا 2000ء میں ریاستی اداروں کی جانب سے جسٹس نواز مری کے قتل کے کیس میں ان کو ملوث کرتے ہوئے ان پہ مقدمہ قائم کیا گیا بعد ازاں ان پہ اور بھی بہت سے کیسز بنائے گئے واجہ حیر بیار مری آج کل لندن میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے ہیں توار پینل نے بلوچستان کی موجودہ صورتحال کے تناظر میں ان کا ایک انٹرویو کیا جو قارئین کی صرف نظر ہے۔

سوال:۔کیا آپ کی نظر میں قومی آزادی کے علاوہ پاکستان کے ساتھ کوئی دوسرا راستہ نکل سکتا ہے؟

جواب:۔ پاکستان نے بلوچ سرزمین کو بزور شمشیر قبضہ کر کے بلوچ قوم کو غلام بنایا ہے اور بلوچ قوم کے قدرتی وسائل کو لوٹ کر پنجاب کے مفادات کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ بلوچ قوم کو نان شبینہ کا محتاج بنا کر پنجاب کی رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔صرف یہ نہیں بلکہ پاکستان بلوچ قوم کو غلام بنانے کے ساتھ ساتھ بلوچ قومی شناخت کو بھی مٹانے کے درپے ہے۔ بلوچ قوم کے پاس بلوچ قومی آزادی کے علاوہ پاکستان کے ساتھ مجھے کوئی دوسرا راستہ نظر نہیں آ رہا ہے۔

سوال:۔اختر مینگل کے دورہ اسلام آباد کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

جواب:۔ اختر مینگل یقیناً ایک سمجھوتے کے تحت اسلام آباد گیا ہے، تاکہ وہ اقوام متحدہ کے ٹیم کے دورہ بلوچستان کے بلوچ تحریک آزادی پر پڑنے والے مثبت اثرات کو زائل کریں۔ کیونکہ قابض نے بلوچ قومی تحریک کو کمزور کرنے اور تحریک آزادی کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے مختلف منصوبے تیار کیے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت اختر کا اسلام آباد جانا اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

سوال:۔اختر مینگل نے اپنے ایک انٹرویو کے دوران کہا تھا کہ تمام سرکاری حمایت یافتہ اور آزادی پسند میرے خلاف اکٹھے ہوئے ہیں، اس پر آپ کیا کہیں گے؟

جواب:۔ یہی سوال ان سے کیا جانا چاہیے کہ پاکستانی فوج، جی ایچ کیو کو کس نے اپنا قبلہ بنایا، پہلے سے وہاں محبت خان مری، ڈاکٹر مالک، نصیر مینگل اور شفیق مینگل سجدہ ریز ہیں اسی میں ایک اور شخص کا اختر کی شکل میں اضافہ ہوا، سب ایک صف میں کھڑے ہو کر لاہور پنڈی کی طرف سجدہ ریز ہوئے اب قوم بتائے کہ وہ ایک ہوئے یا ہم۔

پہلے سے وہاں محبت خان مری، ڈاکٹر مالک، نصیر مینگل اور شفیق مینگل سجدہ ریز ہیں اسی میں ایک اور شخص کا اختر کی شکل میں اضافہ ہوا، سب ایک صف میں کھڑے ہو کر لاہور پنڈی کی طرف سجدہ ریز ہوئے۔

سوال: آپ کی رائے میں دنیا بلوچ تحریک آزادی کو کس نظر سے دیکھ رہی ہے؟

جواب:۔ بلوچ قوم کی قربانیوں نے پوری دنیا کو ہماری طرف مائل کیا۔ اب دنیا کسی حد تک ہماری آواز سن رہی ہے۔ بلوچ قوم کی قربانی نے بلوچ قومی آواز کو دنیا تک پہنچا دیا ہے یہ دنیا کا قانون ہے کہ جن لوگوں نے اپنے آپ پر بھروسہ کیا ان اقوام نے آزادی حاصل کی اور آج بلوچ قوم نے بھی اپنی جدوجہد سے دنیا میں

ایک قوم کی حیثیت سے اپنا شناخت متعارف کرایا۔ جسے میں بلوچ قوم کی قربانیوں کا ثمر سمجھتا ہوں۔

سوال: بلوچ عوام کی قربانیوں کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

جواب:۔ بلوچ قبضہ گیر کے مختلف حربوں کی وجہ سے پوری قوم خاموش موت سے مر رہی تھی۔ لیکن کسی کو معلوم نہیں تھا کیونکہ ہماری شناخت ختم ہوکر پاکستانی ہو رہی تھی۔ لیکن آج جدوجہد اور نوجوانوں کی قربانیوں نے ہماری شناخت کو کسی حد تک بچا لیا ہے میں اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ شناخت انسان کی بہترین شے ہوتی ہے۔ آج لوگ اپنی جان قربان کر کے پوری قوم کو خاموش موت سے بچا رہے ہیں یہی زندہ قوم کی واضح مثال ہے۔ بلوچ اپنی جدوجہد اور قربانیوں سے تاریخ رقم کر رہے ہیں۔ جو لوگ اپنا آج ختم کر کے پوری قوم کو اجتماعی موت سے بچا رہے ہیں اس قربانی کو ہم عظیم سمجھتے ہیں۔

سوال: چارٹر جن بلوچ لیڈران کو دیا گیا اس میں پیش رفت کہاں تک ہوئی؟

جواب:۔ چارٹر کسی بھی قوم کے لیڈرشپ کا اپنے قوم عوام اور لوگوں سے ایک کمٹمنٹ اور معاہدہ ہوتا ہے کہ جب کوئی تنظیم قوم کے لیے لڑتی ہے تو تنظیم کی پالیسی اور مستقبل کا وژن اور آئندہ کا لائحہ عمل کیا ہوگا ان چیزوں کو ایک معاہدے کی شکل میں اپنی قوم کے ساتھ واضح کیا جاتا ہے۔ جس طرح PLO جنوبی افریقہ امریکہ وغیرہ میں ہوا۔ ہم نے کوشش کی کہ بلوچستان میں جو جدوجہد ہو رہی ہے لوگ اپنے آج کو آنے والے کل کے لیے قربان کر رہے ہیں تو انکا کل یعنی مستقبل کیسا ہوگا۔ اس لیے چارٹر کو پیش کیا گیا تاکہ لوگ اس پر متفق ہوں اور قوم بھی دیکھے کہ ان کے مستقبل کا بلوچستان کیسا ہو۔ جہاں برابری انصاف اور ایک خوشحال بلوچستان کا خواب کیسے پورا ہو۔ چارٹر میں یقیناً تمام چیزیں واضح انداز میں پہلے مرحلہ میں بلوچ لیڈروں کے سامنے پیش کیا گیا ہے تاکہ وہ اپنی آراء اور تجاویز شامل کر سکیں۔ اس کے دوسرے مرحلے میں ہم اسے بہت جلد بلوچ قوم کو پیش کرنے والے ہیں۔

سوال:۔ بلوچ لیڈران کا اس پر ردعمل کیسا رہا؟

جواب:۔ ہم نے چارٹر تمام ہم خیال لوگوں بشمول ڈاکٹر اللہ نظر بلوچ کو دیا۔ اختر مینگل نے انکار کیا جبکہ براہمدغ نے کہا تھا کہ وہ بہت جلد جواب دینگے لیکن بعد میں ہماری بارہا فون کرنے کے باوجود اس نے کوئی خاطر خواہ جواب نہیں دیا بلکہ فون تک اٹھانے سے گریز کیا۔ لیکن حال ہی میں اپنے انٹرویوز میں اسے رد کرنے کا تاثر دیا۔ اور میری ترجمانی کرتے ہوئے کہا کہ میں بھی سمجھ چکا ہوں کہ اس کی کوئی افادیت نہیں ہے اس لیے میں خود بھی چارٹر سے دستبردار ہوا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں کہ اسے یہ خیال کہاں سے آیا۔ یہ کہنا کہ میں چارٹر سے دستبردار ہوا ہوں یہ حقیقت کے برعکس ہے بلکہ ہم دوستوں کے ساتھ مل کر اس پر بہت سنجیدگی سے کام کر رہے ہیں تاکہ اسے جلد بلوچ قوم کے سامنے لاسکیں۔

سوال:۔ کیا آپ کا براہمدغ کے ساتھ کوئی رابطہ ہے؟

اختر مینگل یقیناً ایک سمجھوتے کے تحت اسلام آباد گیا ہے، تاکہ وہ اقوام متحدہ کے ٹیم کے دورہ بلوچستان کے بلوچ تحریک آزادی پر پڑنے والے مثبت اثرات کو زائل کریں۔

جواب:۔ نہیں ان کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں ہے بلکہ ہم نے کئی بار ان سے فون پر رابطہ کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے جواب نہیں دیا اور نہ ہی دوستوں کے چارٹر کے حوالے سے ایمیلز کا کوئی جواب دیا۔

سوال:۔ عام بلوچوں کی طرف سے کوئی پذیرائی ملی چارٹر کے حوالے سے کسی نے رابطہ کیا؟

جواب:۔ عام بلوچ نے مجھے بہت کہا کہ آپ اسے عوام اور قوم کے سامنے لائیں۔ اور ہم بھی اسے مرحلہ وار قوم کے سامنے پیش کریں گے۔ کیونکہ چارٹر قوم کے کل اور مستقبل کا تعین کرتا ہے۔ ہم اسے بہت جلد قوم کے سامنے پیش کریں گے۔ پھر پوری قوم کی جو رائے ہوگی اسی کے مطابق بلوچستان کے مستقبل کے چارٹر کو حتمی شکل دی جائیگی۔

سوال:۔ شیر محمد بگٹی اور بی این پی نے انٹرویو اور بیانات میں تاثر دیا کہ آپ کی رحمان ملک سے ملاقات ہوئی یہ بات کس حد تک درست ہے؟

جواب:۔ ایک چیز میں پوری قوم کے سامنے واضح کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے شروع سے آج تک جب بلوچ قومی تحریک میں اپنی حیثیت کے مطابق حصہ لیا اور تحریک کے شروع سے آج تک میرا ایمان رہا کہ قوم اور عوام مقدس ہے اور میں نے انھیں سب کچھ سمجھ لیا اور انھی کے لیے جدوجہد کی لیکن میں نے کوئی بھی چیز ان سے نہیں

چھپائی۔ بلکہ ہر چیز ان کے سامنے منکشف کیا میری جلاوطنی پھر پناہ اور پناہ کے دوران جو کچھ ہوتا رہا میں نے پوری قوم کو باخبر رکھا۔

جہاں تک رحمان ملک کی بات ہے وہ 2008 کے اوائل میں میرے گھر آئے تھے لیکن میں نے انھیں واضح انداز میں کہا کہ ہم آزادی مانگتے ہیں آزادی سے کم کسی بھی چیز پر راضی نہیں ہونگے۔ اس ملاقات کے بارے میں بھی میں نے بلوچ قوم کو اپنے ایک انٹرویو جو میں نے طلعت حسین کو دیا تھا اس کے اندر آگاہ کیا۔

سوال۔: بلوچستان میں کچھ لیڈران جیسے کہ براہمدغ بگٹی بلوچستان میں اقوام متحدہ کی زیرنگرانی ریفرنڈم کی بات کررہے ہیں آپ اس کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

جواب:۔ میں ریفرنڈم کو اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف سمجھتا ہوں۔ بلوچستان میں ریفرنڈم بلوچ قوم کو دائمی غلامی کے اندھیروں میں دھکیلنے کے مترادف ہے۔ میں اس قسم کے کسی بھی ریفرنڈم کی حمایت نہیں کرتا۔ بلوچ قوم کو اپنی جہدوجہد آزادی کو تیز کرنے کی ضرورت ہے۔ آج پورے بلوچستان میں پشتونوں پنجابیوں اور غیر بلوچوں کو شناختی کارڈ جاری کردیے گیے ہیں۔ پاکستان کے بلوچستان میں اب بھی نوابوں اور سرداروں کی بدولت کنٹرول عام لوگوں پر ہے۔ پاکستان دوہری چال چلنے میں ماہر ہے اور سارا نظام کنٹرول ان کے پاس ہے اگر ریفرنڈم کو نوبت آئی تو وہ لاکھوں پنجابیوں اور غیر بلوچوں کو بلوچستان منتقل کر کے انہیں شناختی کارڈ جاری کر کے ریفرنڈم کو اپنے حق میں لاکر ہمیں دائمی قانونی غلامی میں جکڑ سکتے ہیں۔ اگر ہم شکایت بھی کریں تو اقوام متحدہ کنوں کے تصدیق کریں گے بلکہ وہ ہمیں الٹا اس کے آگے روڑے اٹکانے کا الزام دیں گے کویت پر عراق نے قبضہ کیا تھا تو انھیں بغیر ریفرنڈم کے وہاں سے نکالنے پر مجبور کیا گیا۔ اسی طرح ویتنام اور عراق سے امریکی فوج کو ریفرنڈم کیے بغیر وہاں سے نکال دیا گیا۔ جب تک ہم اپنی جدوجہد سے عام لوگوں کو قابض کی ایما پر کام کرنے والے نوابوں سرداروں اور ڈرگ مافیا کی چنگل سے آزاد کر کے قومی تحریک میں شامل کر کے انھیں مکمل Homogenous ہم نوعی قوم نہ بناتے اس وقت تک ریفرنڈم کی باتیں یا حمایت اپنے پاؤں پر سے خود زمین کھینچنے کے مترادف ہے۔ Hetrogenous سے ہم نوعی صرف اور صرف قبضہ گیر کے خلاف انقلابی جدوجہد سے ممکن ہے۔ طول پکڑنے والی جدوجہد خود اپنے اندر گند اور میل کو صاف کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ قوم کو ہم نوعی کی طرف گامزن کرتی ہے۔

سوال:۔ آپ کی رائے میں مستقبل کا بلوچستان کیسا ہوگا؟

جواب:۔ بلوچستان ایک قومی فلاحی ریاست ہوگا۔ جہاں لوگوں کی جان و مال عزت و آبرو کا تحفظ ہو اور جہاں بلوچ قوم کو مفت تعلیم صحت کی سہولیات کے ساتھ ساتھ روزگار کی فراہمی ریاست کی ذمہ داری ہوگی۔ ہمارے ملک میں اتنے وسائل ہیں کہ ہم انہی وسائل کو بروئے کار لاکر بلوچ قوم کو اعلی تعلیم دے کر دیگر مہذب اور ترقی یافتہ اقوام کے برابر لاسکیں گے۔ ایک ملک کی ترقی اور تعمیر کے لیے ان کی افرادی قوت بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے، آج پاکستان کہتا ہے کہ وہ ہمیں پانچ ہزار نوکریاں خیرات کی شکل میں دے کر احسان جتانے کی کوشش کررہا ہے، جب بلوچستان آزاد ہوا تو ہمارا ملک اس قابل ہوگا کہ بلوچ عوام کو روزگار دینے کے ساتھ ساتھ ملک کی انفراسٹرکچر اور تعمیر و ترقی کے لیے باہر سے بھی افرادی قوت کی ضرورت ہوگی۔

بلوچستان ایک قومی فلاحی ریاست ہوگا۔ جہاں لوگوں کی جان و مال عزت و آبرو کا تحفظ ہو اور جہاں بلوچ قوم کو مفت تعلیم صحت کی سہولیات کے ساتھ ساتھ روزگار کی فراہمی ریاست کی ذمہ داری ہوگی۔

سوال:۔ آج کل لوگوں میں یہ بحث چھڑ چکی ہے کہ بلوچستان میں زیادہ مسلح تنظیمیں بنی ہیں جس کی وجہ سے بلوچستان میں خانہ جنگی کا خدشہ پیدا ہوا ہے۔ اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب:۔ اس بات سے کوئی ذی شعور بلوچ انکار نہیں کرسکتا کہ تمام آزادی پسند مسلح تنظیمیں بلوچستان کی آزادی کے لیے جدوجہد کررہے ہیں۔ ان کے درمیان طریقہ کار پر اختلاف ہوسکتے ہیں لیکن کسی کے نظریہ فکر جو بلوچستان کی آزادی ہے پر شک وشبہات نہیں کیا جاسکتا۔ تمام تنظیمیں ایک دشمن کے خلاف برسرپیکار ہیں۔ وہ کیسے اپنی طاقت قوت کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کر کے دشمن کا کام آسان کر کے اس کو فائدہ دینگے۔ طریقہ کار کے اختلاف پر بحث ومباحثہ کو خانہ جنگی کہنا قطعاً درست نہیں۔ بلکہ اس کا مقصد اصلاح ہے۔ بلوچستان میں خانہ جنگی کا تاثر پاکستانی پروپیگنڈہ ہے اگر تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو بلوچوں کے

درمیان ماسوائے چاکر و گہرام کی خانہ جنگی کے علاوہ کوئی بھی اس طرح کا عمل نہیں ہوا بلکہ اسی دوران یورپ اور چین خانہ جنگی کی لپیٹ میں تھے۔ بلوچوں کی خانہ جنگی کو قابض کی ایماٗ پر بڑھا چڑھا کے پیش کرتے ہیں لیکن یورپ اور چین کی خانہ جنگی کو اہمیت نہیں دیتے۔ آج بلوچوں میں کافی شعور بیدار ہوا ہے کہ خانہ جنگی بلوچوں کو مزید تقسیم در تقسیم کر کے دائمی غلامی کے اندھیروں میں دھکیل دینے کے مترادف ہوگا۔

زمین و ساحل وسائل ہتھیانے کے لیے پاکستان جیسے ملک سے گٹھ جوڑ اس کے جارحانہ عزائم کو ظاہر کرتا ہے، جو بھی ملک بلوچ قومی مفادات کو نقصان پہنچائے تو بلوچ قوم اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے اسے اپنی سرزمین میں برداشت نہیں کرے گا۔

سوال: ۔اگر موجودہ جدوجہد کا ماضی کی جدوجہد سے تقابلی جائزہ لیں تو اس جدوجہد کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

ہمارے اور پاکستان کے درمیان صرف اور صرف ایک رشتہ ہے قابض اور محکوم کا۔ اسی رشتے کو مذہب کا لبادہ پہنا کر مسلم امہ کی یکجہتی کا نعرہ لگایا جاتا ہے۔ کہ تمام مسلمان ایک ہیں۔ اگر تمام مسلمان ایک ہیں تو پھر خلیجی ممالک جو ایک زبان ثقافت رسم و رواج اور جغرافیہ کے حوالے سے منسلک ہونے کے باوجود الگ الگ کیوں ہیں۔

سوال: ۔جنرل کیانی نے حال ہی میں اپنے ایک بیان میں کہا کہ وہ بلوچستان کے مسئلے کو پاکستانی آئین کے دائرے میں رہ کر حل کی حمایت کرتے ہیں۔ اس پر آپ کیا کہیں گے۔

جواب: ۔ایک غیر آئینی فوج کے جنرل جو بار بار خود اپنے ملک کی آئین کی پامالی کر کے اس پر شب خون مارتا ہو۔ ہمیں اس کے آئین کی پاسداری کا درس دینا حیران کن ہے۔ ہمارے اور پاکستان کے درمیان صرف اور صرف ایک رشتہ ہے قابض اور محکوم کا۔ اسی رشتے کو مذہب کا لبادہ پہنا کر مسلم امہ کی یکجہتی کا نعرہ لگایا جاتا ہے۔ کہ تمام مسلمان ایک ہیں۔ اگر تمام مسلمان ایک ہیں تو پھر خلیجی ممالک جو ایک زبان ثقافت رسم و رواج اور جغرافیہ کے حوالے سے منسلک ہونے کے باوجود الگ الگ کیوں ہیں۔ یہاں پر تو دو الگ قوموں جن کی تاریخ ثقافت زبان رہن سہن سب الگ ہیں پھر انہیں کیسے ایک قوم بنایا جاسکتا ہے۔

سوال: ۔بلوچستان کے ساحل پر قبضہ جمانے کے پاکستان اور چین گٹھ جوڑ کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

جواب: ۔میں سمجھتا ہوں کہ گوادر و سیندک یا بلوچستان میں کہیں بھی کوئی غیر ملکی بلوچ قوم کی مرضی و منشا کے بغیر بلوچ قومی وسائل کو لوٹنے کے لیے پاکستان کے ساتھ گٹھ جوڑ کرے تو اس میں اور قابض میں کوئی واضح فرق نہیں رہتا۔ چین کو زمین کی اہمیت و افادیت معلوم ہے چین اپنے جزائر جنہیں سینکا کو کہتے ہیں جہاں کوئی رہتا بھی نہیں ہے ان کے لیے جاپان کے ساتھ حالت جنگ میں ہے۔ لیکن وہ ہماری

جواب: ۔جب قابض پاکستانی فوج نے 1948 میں بلوچستان پر قبضہ جمایا تو پہلی بار شعوری طور پر آغا عبدلکریم خان نے پاکستان کے خلاف جدوجہد کا آغاز کیا۔ بعد کے تمام جدوجہد قابض کی ظلم و جبر کے ردعمل سمجھے جاتے ہیں۔ موجودہ جدوجہد آزادی اس وقت شروع ہوئی جب بلوچ لیڈر اور تنظیمیں پاکستانی پارلیمانی عیش و عشرت مراعات اور وزارت کے حصار میں قید تھے۔ بلوچستان میں صرف چند ایسے محبّ وطن لوگ تھے جنہوں نے پاکستان کی بلوچ قومی شناخت کو مٹانے کی حکمت عملی کو بھانپ لیا تھا۔ یہ لوگ پاکستان کی تمام چالاکیوں کے باوجود ایک دھائی سے اپنے لائحہ عمل طے کر رہے تھے اور آزادی کی جدوجہد شروع کرنے کے لیے سازگار ماحول کے منتظر تھے۔ یہ کہنا کہ نواب بگٹی کی شہادت کے بعد آزادی کی جدوجہد ردعمل کے طور پر شروع ہوئی تو غلط ہوگا۔ اس جدوجہد کو شروع کرنے والے اور حالات کا رخ موڑنے والا ایک ایسا طبقہ ہے جس کے بارے میں بہت کم لوگ جانتے ہیں جو کہ نواب بگٹی کی شہادت سے قریباً ایک دہائی پہلے سے شب و روز اس پر کام کر رہے تھے۔

اس سے پہلے پاکستان نے ہمیشہ بلوچوں پر جنگ مسلط کیا تھا۔ لیکن اس جدوجہد کو شروع اور پاکستان پر مسلط ایک ڈیٹر مینڈ بلوچ محبّ وطن طبقے نے کیا۔ اس جدوجہد نے پاکستان کو انگشت بدندان کیا کیونکہ اس وقت پاکستان کے وہم و گماں میں بھی نہیں تھا۔ کیونکہ پاکستان یہ سمجھ رہا تھا کہ انہوں نے بلوچ لیڈران سیاسی پارٹیاں کو مراعات ذاتی عیش و عشرت سے بنے ہوئے ایسے جال میں پھنسایا کہ یہ

چاہیں بھی تو اس سے نہیں نکل کر آزادی کی جدوجہد کا سوچ بھی نہیں سکتے۔

سوال:۔ سپریم کورٹ بلوچستان کے مسئلے پر کافی متحرک ہے اس کے بارے میں کیا کہیں گے؟

جواب:۔ سپریم کورٹ کے فیصلے اور ججوں کے بیانات ان کی حقیقت طشت از بام کر چکے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ بلوچ جدوجہد نے پاکستان کو نقصان پہنچایا۔ بلوچستان میں بلوچ قومی آزادی کی جدوجہد تیزی سے عوامی حمایت حاصل کرتے ہوئے کامیابی کی جانب گامزن ہورہی ہے۔ جس کی وجہ سے پاکستان تیزی سے تباہی کی طرف جارہی ہے۔ تو اس وقت سپریم کورٹ کا ایکشن لینا اور مشورہ قابض کو خطرے کا احساس دلانے اور بلوچ قومی آزادی کی جدوجہد کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش ہے۔ سپریم کورٹ پاکستان کو بچانے

کی کوشش کررہا ہے انہیں لاپتہ بلوچوں اور بلوچ نوجوانوں کی مسخ لاشوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

سوال:۔ اختر مینگل اس وقت لندن میں موجود ہیں کیا آپ کا اس سے کوئی رابطہ ہے؟

جواب:۔ مجھے کچھ دن پہلے ورلڈ سندھی کانگریس میں شرکت کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ آج مجھے معلوم ہوا کہ اختر مینگل بھی اس کانفرس میں شرکت کررہے ہیں۔ میں نے اپنے دوستوں سے صلاح ومشورہ کرنے کے بعد اس کانفرنس میں شرکت کرنے سے سندھی دوستوں سے معذرت کی اور اس کی وجہ بھی بتائی۔ حالانکہ اس وقت سندھی اور بلوچ دونوں پاکستان کی ظلم و بربریت کا شکار ہیں۔ ہمارا دشمن مشترکہ ہے ہمارا ایک دوسرے کے ساتھ مشترکہ دشمن کے خلاف تعاون بھی ضروری ہے۔ لیکن آج کے کانفرنس میں اختر مینگل کی موجودگی میں ہم نے اس میں شرکت کرنا مناسب نہیں سمجھا وہ اس لیے کیونکہ ہماری اور اختر کی سوچ وفکر میں کافی فرق ہے۔ اختر مینگل پاکستانی سپریم کورٹ کے ساتھ مل کر پاکستان بچانے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ اس کے برعکس ہم پاکستان سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کررہے ہیں۔ اس وقت میرا اختر کے ساتھ بیٹھنا ہماری سوچ کے منافی ہوگا۔ اختر مینگل کے اسلام آباد جانے کے بعد گدر میں پاکستان کی جانب سے فوجی آپریشن اور آج مرگاپ میں خورشید بشام بلوچ کی مسخ شدہ لاش کی برآمدگی اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ اختر مینگل اسلام آباد اقوام متحدہ کی ٹیم کے دورہ بلوچستان کے مثبت اثرات کو زائل کرنے کے لیے وہاں گئے تھے اور دنیا کو بھی یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ بلوچستان میں کوئی مسئلہ نہیں ہے بلوچ ابھی تک پاکستان کے ساتھ رہنے کے لیے راضی ہیں۔ ہم یہ پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ پاکستانی فوج ایف سی خفیہ ایجنسیاں اور عدلیہ بلوچ قومی آزادی کی تحریک کے خلاف ایک ہوکر کام کررہے ہیں۔ پاکستانی فوج اور خفیہ ایجنسیاں بلوچ قوم کے خلاف انسانیت سوز جرائم میں ملوث ہیں جبکہ سپریم کورٹ ان جرائم پر پردہ ڈالنے کی کوششوں میں مصروف ہے اس لیے سپریم کورٹ کے ججوں نے اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ سے ملنے تک کو انکار کیا۔ ایسے وقت میں اختر مینگل کا اسلام آباد جانا اور سپریم کورٹ کو امید کی آخری کرن قرار دینے کو ہم بلوچ تحریک آزادی کو دانستہ نقصان دینے کی کوشش سمجھتے ہیں۔

اگر اختر مینگل مستقبل میں بلوچ قومی آزادی کے کیمپ میں شامل ہوجائے تو اس کے بعد ہم بلوچ قوم اور دوستوں کے صلاح ومشورے کے بعد ان کے ساتھ بیٹھنے کو تیار ہونگے۔

سوال:۔ ملالہ پر حملہ اور اسے پاکستانی میڈیا میں پذیرائی کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

جواب:۔ ملالہ پر حملہ غلط ہے اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی واضح ہوجائے کہ ایک ملالہ کے واقعہ کو جو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جارہا ہے بلوچستان میں ایسے سینکڑوں ملالہ ہیں جنہیں پاکستانی فوج نے اپنی جارحیت کا نشانہ بنایا ان پر نام نہاد میڈیا اور لبرل خاموش ہیں۔

ملالہ کے واقعہ کو پاکستان اس لیے بڑھا چڑھا کر پیش کررہا ہے کیونکہ ان کی کشکول خالی ہے وہ امریکہ اور مہذب دنیا سے مزید پیسے لینے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ پاکستان کو جو امداد ملتی ہے اس میں ان کے اتحادی طالبان کا بھی حصہ ہے۔ ایسے واقعات یہ ملی بھگت سے اپنے کشکول بھرنے کے لیے کرتے ہیں۔

پاکستان طالبان سے ایسے کام کروا کر مہذب دنیا کو بلیک میل کرکے ان سے مزید امداد لیتا ہے۔

اختر مینگل آئی ایس آئی کے اشارے پر اسلام آباد گیا ہے

بی آر پی کے سربراہ براہمدغ خان بگٹی کا نجی ٹی وی کو انٹرویو

بلوچ ری پبلکن پارٹی کے سربراہ نوابزادہ براہمداغ خان بگٹی نے نجی ٹی وی سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ بلوچستان کی آزادی ہمارا مقصد ہے، ون پوائنٹ ایجنڈا پر سب سے بات کرنے کیلئے تیار ہیں۔انہوں نے سردار اختر جان مینگل کے چھ نکات کو بے معنی قرار دیتے ہوئے کہا کہ ہم نے مذاکرات سے کبھی انکار نہیں کیا لیکن آزادی کی جدوجہد کو خیر باد کہہ کر پاکستان کے جھنڈے کو سلام کرنا ممکن نہیں آزادی اور صرف آزادی کے یک نکاتی ایجنڈہ پر کسی سے بھی بات کرنے کو تیار ہیں نواز شریف اور پنجاب بلوچ قوم کے وجود کو اپنے لئے خطرہ سمجھ کر ہمدردی جتارہے ہیں انہیں بلوچ قوم سے کوئی سروکار نہیں۔انہوں نے کہا کہ سپریم کورٹ میں لاپتہ افراد سے متعلق مقدمہ کی سماعت محض ڈرامہ ہے کیونکہ ماورائے آئین و قانون گرفتاریوں کے واقعات میں مزید تیزی آچکی ہے عدالت میں جبری طور پر لاپتہ کئے جانیوالے افراد کی بازیابی کیلئے احکامات جاری کئے گئے ہیں مگر اس کے باوجود بھی لاشیں بدستور موصول ہورہی ہیں انتخابات اور سیاسی مقاصد کے حصول کیلئے بلوچستان کا نام استعمال کرکے سیاست کی جارہی ہے بلوچستان کے مسئلے پر بحث ہونی چاہئے قومی تحریک کی راہ میں کوئی رکاوٹ قبول نہیں کی جائے گی۔میڈیا جانبدارانہ رویہ اختیار کئے ہوئے ہے اور بلوچستان کے کیس کو منفی انداز میں پیش کررہا ہے۔انہوں نے کہا کہ پارلیمانی نظام کسی صورت بھی بلوچ قوم کی نجات کا ذریعہ نہیں بن سکتا کیونکہ ماضی میں نواب خیر بخش مری سمیت ہم سب نے انتخابات میں بھی حصہ لیا لیکن اس کے نتائج انتہائی مایوس کن نکلے۔آج صورتحال مکمل طور پر مختلف ہوچکی ہے اس ملک کے پارلیمانی نظام نے بلوچ قوم کو غلام بنانے کی پالیسیاں بنائی گئی ہیں اس سے بلوچ قوم کو کوئی خیر کی توقع نہیں۔سردار اختر مینگل سے میری کوئی ملاقات نہیں ہوئی تاہم نوابزادہ حیر بیار مری سے بات چیت ہوتی ہے۔آج بلوچ قوم صرف اور صرف یک نکاتی آزادی کے ایجنڈہ پر جدوجہد کررہی ہے اور ان کی جدوجہد کا محور صرف اور صرف آزادی ہے۔اس تحریک آجوئی میں ہماری شہداؤں نے جانوں کے نذرانے پیش کئے ہیں جنہیں کسی صورت بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔انہوں نے کہا کہ سردار اختر مینگل پاکستانی اسٹیبلشمنٹ اور فوج کی جانب سے گرین سنگل ملنے کے بعد پاکستان پہنچے ہیں۔بلوچستان کے مسئلے کو حل کرنے کیلئے پیش کئے جانیوالے اختر مینگل کے چھ نکات بلوچ قوم کے مسائل کا حل نہیں نکات اختر مینگل پیش کریں ڈاکٹر مالک یا نوابزادہ طلال اکبر بگٹی ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہم آزادی کی جدوجہد کررہے ہیں۔بی این پی کے کارکنوں کی شہادتوں پر افسوس ہے مگر انہوں نے آزادی کیلئے قربانیاں نہیں دیں۔انہوں نے کہا کہ بلوچ قوم کی اپنی ثقافت پہچان اور سرزمین ہے جس کے حصول میں آج بلوچ اپنی جانوں کے نذرانے پیش کررہا ہے۔آج بھی بلوچ سرزمین پر انسانی حقوق کی سنگین پامالی ہورہی ہے لاشوں کے تحفے تواتر کیساتھ بلوچ قوم کو دیئے جارہے ہیں۔ بلوچ فرزندان کی قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ کی بلوچستان آمد خوش آئند ہے اور یہ سب بلوچ شہداؤں کی قربانیوں کا ثمر ہے جس کی وجہ سے آج عالمی سطح پر بلوچ قوم پر ہونے والے ریاستی ظلم و جبر تشویش کا اظہار کیا جارہا ہے۔انہوں نے کہا کہ نوابزادہ حیر بیار مری اور ہماری تحریک آزادی کی جدوجہد میں کوئی دورائے اور ایک انچ کا بھی فرق نہیں ہمارا ایک ہی ایجنڈا ہے وہ ایجنڈا بلوچ قوم کی اس قابض ریاست سے آزادی کا ہے ہم صرف اور صرف آزادی چاہتے ہیں اور اس کیلئے قربانیوں کا سلسلہ جاری رہے گا۔انہوں نے کہا کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں بلوچ قوم کی نمائندگی نہیں کررہے تو صرف اقوام متحدہ اور عالمی دنیا کے سامنے اوپن

> اختر مینگل پاکستان اسٹیبلشمنٹ اور آئی ایس آئی کی جانب سے گرین سگنل ملنے کے بعد پاکستان پہنچے ہیں۔مذاکرات سے کبھی انکار نہیں کیا لیکن مذاکرات صرف آزادی کے نقطہ پر ہونگے۔

ریفرنڈم کرالیا جائے نتائج سامنے آجائیں گے کہ بلوچ قوم کیا چاہتی ہے۔انہوں نے کہا کہ ہم نے چارٹر آف لبریشن میں اپنا مؤقف واضح کردیا تھا کہ اس میں بلوچستان کا آئین ہے جس پر بلوچ قوم کی رائے ضروری ہے آئین ایک فرد نہیں بنا سکتا مگر ہمارے اختلافات گھر جیسے ہیں حیر بیارمری اور ہماری جدوجہد ایک ہی

حیر بیارمری اور ہماری جدوجہد ایک ہی بلوچ قوم کی آزادی ہے جس پر ہم کسی طور پر سمجھوتہ نہیں کرینگے۔

بلوچ قوم کی آزادی جس پر ہم کسی طور پر سمجھوتہ نہیں کرینگے۔انہوں نے کہا کہ ہم پر امن طریقے سے جدوجہد کرتے ہوئے اپنی سرزمین پر اپنا حق مانگ رہے ہیں اور اس قبضہ گیریت کو ختم کرنے کیلئے جدوجہد کررہے ہیں آج بھی جو لوگ لڑ رہے ہیں وہ فوج کیساتھ نبرد آزما ہیں ہمارے سیاسی کارکنوں کو اغواء کیا جارہا ہے اور انہیں ریاستی ٹارچر سیلوں میں انسانیت سوز تشدد کا نشانہ بنا کر ان کی مسخ شدہ لاشیں پھینکی جارہی ہیں۔انہوں نے کہا کہ اگر پاکستان کے آرمی چیف سیاسی عمل کی حمایت کرتے ہیں تو یہ خوش آئند ہے ہم نے کبھی مذاکرات سے انکار نہیں کیا لیکن اتنا ضرور کہا ہے کہ ہم صرف اور صرف آزادی کے نقطہ پر مذاکرات کریں گے۔ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو پس پشت ڈال کر اور جہد آزادی کو خیرباد کہہ کر پاکستان کے جھنڈے کو سلام کریں۔ہمارے اور پارلیمانی جدوجہد کرنیوالوں کے راستہ الگ الگ ہیں موجودہ حالات میں رشتوں ناتوں اور قبائلی تعلقات سے بالاتر ہوکر بلوچ قوم کے اجتماعی مفاد کے بارے میں فیصلہ کرنا ہوگا۔انہوں نے کہا کہ ہمارا مسئلہ نواز شریف سمیت کوئی بھی حل نہیں کرسکتا ہم خود اپنا مسئلہ حل کریں گے یہ ڈاکٹر مالک' نوابزادہ طلال اکبر بگٹی اور اختر مینگل سمجھتے ہونگے لیکن ہم نہیں سمجھتے کہ جو پنجاب ہم پر 65 سال سے قابض رہا ہے آج وہی سے ایک شخص کو بلوچستان کا مسئلہ حل کرنے کا درد اٹھا ہو۔اصل میں اس کے مفادات بلوچستان سے وابستہ ہیں بلوچستان کے وسائل سے ان کی روزی روٹی چل رہی ہے،عیش وعشرت کررہے ہیں اگر بلوچستان آزاد ہوگا تو یہ بھکاری بن جائینگے۔نوابزادہ براہمدغ بگٹی نے بلوچستان میں صحافیوں کے قتل اور میڈیا کو ہراساں کرنے کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ یہ کام بلوچ آزادی پسند نہیں کررہے بلکہ آئی ایس آئی کررہی ہے کیونکہ انہوں نے بلوچستان کو نوگوایریا بنا رکھا اور ان کی کوشش ہے کہ بلوچستان میں انسانی حقوق کی جس طرح پامالی ہورہی ہے۔ریاستی ظلم وجبر ہورہا ہے بلوچ قوم کی نسل کشی جارہی ہے دنیا اس سے بے خبر رہے آزادی پسند قوتیں اگر یہ کربھی رہی ہیں تو میں اس کو بلوچ قوم کے مفاد میں نہیں سمجھتا۔انہوں نے کہا کہ اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ کی آمد، بین الاقوامی سطح پر بلوچستان اور بلوچ قومی مسئلہ پر تشویش بلوچ شہداء کی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔انہوں نے کہا کہ نورالدین مینگل اور مہران بلوچ کی جدوجہد قابل ستائش ہے جو بین الاقوامی فورمز پر بیٹھ کر بلوچستان میں جاری ریاستی ظلم و جبر کو اجاگر کرنے کے حوالے سے مثبت کردار ادا کررہے ہیں۔انہوں نے کہا کہ بلوچ نیشنل فرنٹ ایک اچھا عمل تھا مگر چند اختلافات کی وجہ سے یہ عمل آگے نہ بڑھ سکا مگر ہم ایک نئے اتحاد بنانے کی طرف جارہے ہیں اس حوالے سے نواب خیربخش مری، حیر بیارمری ، جاوید مینگل سمیت تمام آزادی پسندوں سے رابطہ میں ہیں لیکن جس طرح اختر جان مینگل نے پاکستان کے اداروں سے رجوع کیا اور اسلام آباد پہنچے اس کے بعد آزادی کیلئے برسرپیکار جاوید مینگل کو اپنی پوزیشن واضح کرنی چاہیئے۔انہوں نے کہا کہ جبری طور پر لاپتہ کئے جانے والے بلوچوں کے لواحقین اور اختر مینگل جیسی سیاسی قیادت کے سپریم کورٹ میں پیش ہونے میں زمین وآسمان کا فرق ہے سپریم کورٹ پنجاب کے مفادات کیلئے کام کررہی ہے بلوچ قوم کو وہاں سے انصاف ملنے کی کوئی توقع نہیں رکھنی چاہیئے۔انہوں نے کہا کہ سردار اختر جان مینگل لاپتہ افراد اور مسخ شدہ لاشوں کے ایشو کو لیکر سپریم کورٹ گیا ہے جس کا اختر مینگل کی پارٹی سے کوئی واسطہ نہیں کیونکہ لاپتہ افراد اور مسخ شدہ لاشیں ملنے والے لوگ آزادی پسند ہیں انہوں نے بلوچ قومی آزادی کیلئے جدوجہد کی اور قربانی دی جبکہ سردار اختر جان مینگل پارلیمانی سیاست پر یقین رکھتے ہیں اور اسی کو ایشو بنا کر اپنی حیثیت بنانا چاہتے ہیں اور اختر مینگل آئی ایس آئی کے اشارے پر اسلام آباد گیا ہے۔انہوں نے کہا کہ جہاں تک لاپتہ افراد کے لواحقین کا سپریم کورٹ میں پیش ہونا یہ ایک الگ بات ہے ہم نے لاپتہ افراد کے لواحقین اور اس پر کام کرنے والی تنظیم کے رہنماؤں کا کہا ہے کہ اس ریاستی اداروں سے کسی قسم کی توقع نہ رکھیں کیونکہ یہ بلوچ دشمن ادارے ہیں اور سپریم کورٹ پر پاکستان کے اپنے لوگ بھروسہ نہیں کرتے تو ہم بلوچ جو ایک الگ قوم اور ریاست کے مالک ہیں ہم کیسے یقین کریں۔

آئینۂ حقائق

چیدہ چیدہ حالات، واقعات اور خبروں پر آزاد کا ماہانہ تجزیہ

قائم خان بلوچ

ماہِ اکتوبر کے شروع کے دنوں میں ہی قبضہ گیر پاکستانی فورسز نے بلوچ گلزمین کو اسکے فرزندوں کے خون میں نہلا کر اس ماہ کی ابتداء کی۔ سوراب کے علاقے گدر میں پاکستانی فورسز نے پورے علاقے کو گھیرے میں لیکر فوجی کاروائی شروع کردی جن کے ساتھ بلوچ قومی غداروں ٹولہ (شفیق مینگل اینڈ ثناء زہری گروپ) بھی

> قابضین پر بلوچ سرمچاروں کے حملوں کو بلوچ روایات کی پامالی قرار دینے والے ان بے ضمیروں کو یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ بیرگیری بلوچ قوم کی روایت میں ہے جس طرح بلوچ مظلوموں کو پناہ دینے سے نہیں ہچکچاتے اسی طرح ظالم اور قبضہ گیروں کے سامنے گھٹنے ٹھیکنا بھی بلوچ روایات کے منافی ہے۔

تھا۔ اطلاعات کے مطابق اس کاروائی میں 1 بچہ اور 3 خواتین شہادت کے رتبے پر فائز ہوگے اور متعدد افراد زخمی ہوگئے۔ بلوچ ننگ و ناموس کی پامالی کے خلاف بلوچ سرمچاروں نے بھی قابض فورسز کے خلاف میدان میں آکر کئی اہلکاروں اور قومی غداروں کو موت کی گھاٹ اتار دیا۔ تہذیب سے عاری قابضین کا ہمیشہ سے یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ اپنے ناجائز قبضے کو برقرار رکھنے اور مقبوضہ اقوام کے وسائل کی لوٹ کھسوٹ کو جاری رکھنے کیلئے کسی بھی طرح کے غیر اخلاقی ہتھکنڈے آزمانے سے دریغ نہیں کرتے۔ تاریخ گواہ ہے کہ انہی پاکستانی بے ضمیر فورسز نے بنگالی عورتوں اور بچوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ تیس لاکھ بنگالی مردوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے قتل عام اور ہزاروں بنگالی عورتوں کی عصمت دری جیسا شرمناک عمل کرنے کے بعد بھی وہ بنگلہ دیش کو آزاد ہونے سے نہ روک سکے۔ آخر کار تاریخ کا بے رحم پھندا انکے گلے میں آن پڑا اور 93 ہزار پاکستانی فوجی بھیگی بلی کی بن کر اپنے ہتھیار اور وردی و پتلونوں کے ساتھ ہندوستانی فوج کے حوالے کرکے دنیا میں ذلیل و رسوا ہوئے۔ بنگالی آزادی پسندوں کے خلاف مذہب کے نام پر جرائم کا بازار گرم کرنے والے مذہبی جنونیوں پر مشتمل پاکستانی خفیہ اداروں کے تشکیل دیئے گئے ڈیتھ اسکواڈز ''الشمس اور البدر'' کے کارندوں نے بھی اپنی سرزمین اور قوم سے غداری کرکے پاکستانی فوج کا ساتھ دے کر معصوم بنگالیوں کے قتل عام میں کوئی کسر نہیں چھوڑی مگر وہ بھی اپنے آقاؤں کی طرح ذلیل و رسوا ہوئے۔ گزشتہ مہینوں ہی بنگلہ دیشی عدالت نے جماعت اسلامی کے ایک کارندے و پاکستانی ڈیتھ اسکواڈ کے سرغنہ کو انکے کالے کرتوتوں کی بناء پر موت کی سزا سنائی تھی۔ جس پر پوری دنیا لعنت بھیج رہی ہے کہ اس نے اپنی سرزمین و قوم سے غداری کرکے دشمن کا ساتھ دیا۔ بلوچستان میں بھی شفیق مینگل، ثناء زہری، اسلم وسراج رئیسانی، محبت خان مری، احمدان وشمبانی بگٹی، احسان شاہ، مالک و حاصل اپنی قوم سے غداری کرکے قبضہ گیر پاکستانی ریاست کا ساتھ دے رہے ہیں۔ قابضین پر بلوچ سرمچاروں کے حملوں کو بلوچ روایات کی پامالی قرار دینے والے ان بے ضمیروں کو یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ بیرگیری بلوچ قوم کی روایت میں ہے جس طرح بلوچ مظلوموں کو پناہ دینے سے نہیں ہچکچاتے اسی طرح ظالم اور قبضہ گیروں کے سامنے گھٹنے ٹھیکنا بھی بلوچ روایات کے منافی ہے۔ جس طرح بنگالی قوم سے غداری کرکے پاکستان کے ساتھ دینے والوں کا انجام (جنہیں اب

> آخر کار تاریخ کا بے رحم پھندا انکے گلے میں آن پڑا اور 93 ہزار پاکستانی فوجی بھیگی بلی کی بن کر اپنے ہتھیار اور وردی و پتلونوں کے ساتھ ہندوستانی فوج کے حوالے کرکے دنیا میں ذلیل و رسوا ہوئے۔

پاکستان بھی قبول کرنے کو تیار نہیں) بھی ان کے آقا کی طرح رسوائی وروسیاہی کے سوا کچھ نہیں۔ گدر کے بعد پسنی اور کلانچ میں بھی قابض فورسز نے اپنے پارلیمانی حواریوں کے ساتھ مل کر خونی کاروائی شروع کر کے خواتین وبچوں سمیت کئی افراد کو زدوکوب کر کے زخمی کر دیا اور کئی نوجوانوں کو اغواء کر کے لے گئے۔ مذکورہ فوجی

1۔ بلوچستان میں تمام اعلامیہ اور خفیہ آپریشن بند کیئے جائیں۔
2۔ مسخ شدہ لاشوں اور اکبر بگٹی کے قتل کے ذمہ داروں کو سزا دی جائے۔
3۔ تمام لاپتہ افراد کو بازیاب کرائے جائے۔
4۔ بلوچستان میں ایجنسیوں کے قائم کردہ تمام ڈیتھ اسکواڈ ختم کیئے جائیں۔

اختر مینگل نے اپنے چھ نکات کا موازنہ شیخ مجیب الرحمٰن کے چھ نکا سے کیا ہے حالانکہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اختر مینگل شیخ مجیب الرحمٰن کے برعکس قومی رہنماء نہیں بلکہ انکی پارٹی کے بعض لوگوں کی حمایت انکے ساتھ نہیں۔

کاروائیاں پارلیمانی گماشتوں کی ایماء پر بلوچ عوام کے دلوں میں خوف بٹھا کر الیکشن کی راہ ہموار کرنے کیلئے کی جارہی ہیں۔ یہ کاروائیاں ان افراد کا پول کھول دینے کیلئے کافی ہیں جو پاکستانی عدالت میں پیش ہوکر اسے امید کی کرن قرار دیتے ہوئے بلوچ قوم کو دھوکے میں رکھنے کی ناکام کوشش کررہے ہیں۔اس سے پہلے اقوام متحدہ کے ورکنگ گروپ کے دورہ بلوچستان کے بلوچ قومی تحریک پر پڑنے والے مثبت اثرات کو زائل کرنے کیلئے پاکستان نے اپنا سنبھالا ہوا دیرینہ مہرہ اختر مینگل کو میدان میں اتار دیا۔ کیونکہ پاکستان کے دیگر تمام گماشتے بلوچ قومی تحریک کا راستہ روکنے میں ناکام ہو چکے تھے اور قبضہ گیر کو شاید تھوڑی بہت امید تھی کہ بلوچ قوم میں کنفیوژن پیدا کرنے کیلئے آخری پتّا اب اختر مینگل کی صورت میں باقی رہ گیا ہے جسے کھیلنا باقی ہے۔ پاکستانی ریاست کے ساتھ ساز باز کے بعد اپنے لیئے بلوچ قوم کے دل میں ہمدردی پیدا کرنے اور ووٹ حاصل کرنے کی غرض سے پاکستانی سپریم کورٹ میں پیشی کیلئے اختر مینگل 27 ستمبر کو اسلام آباد میں وارد ہوئے جن کے ساتھ اختر لانگو اور سیاسی چالباز ثناء بلوچ بھی تھے۔ طے شدہ منصوبے کے تحت پاکستانی ریاست کی شہہ پر اسکی میڈیا نے اختر مینگل کو ایسے بڑھا چڑھا کر پیش کیا جیسا کہ پورا بلوچستان انکی مٹھی میں ہو۔ اختر مینگل نے اسلام آباد پہنچتے ہی اپنی حقیقت یہ کہہ کر ظاہر کردی کہ ''ہم ابھی تک پارلیمانی سیاست سے دستبردار نہیں ہوئے۔ عدلیہ آخری امید ہے''۔ 27 ستمبر کو اختر مینگل نے پاکستانی سپریم کورٹ میں پیش ہوکر چھ نکات کی صورت میں چند لاحاصل مطالبات سامنے رکھے۔ لاحاصل اس لیئے کہ اس کے تمام مطالبات مسترد کیئے گئے جو یہ ہیں۔

5۔ بلوچستان میں تمام سیاسی پارٹیوں کو آزادی سے سیاست کرنے دیا جائے۔
6۔ ڈیرہ بگٹی اور دیگر علاقوں کے آپریشن سے متاثرہ افراد کو دوبارہ بحال کیا جائے۔

سپریم کورٹ میں پیشی کے بعد اختر مینگل کے میڈیا کو دیئے گئے انٹرویوز اور بیانات بھی ملاحظہ فرمائیں۔

☆ انٹیلی جنس ایجنسیوں کو میری بات سمجھ میں نہیں آئے گی۔ سپریم کورٹ صرف آرڈر پاس کرے گی

☆ سپریم کورٹ صرف آردر پاس کرے گی مگر بااختیار لوگ اپنی وردی پر ہاتھ نہیں ڈالیں گے۔

☆ اگر میرے چھ نکات پر عملدرآمد نہیں ہوا تو پھر بلوچستان کے لوگ آپ کے ساتھ چلنے پر آمادہ نہی ہوں گے۔

☆ بلوچستان میں پاکستان کا نام لینے والوں کو غدار کہا جاتا ہے۔

اختر مینگل کے سپریم کورٹ میں پیشی کے دوسرے روز ہی پاکستانی خفیہ اداروں نے سپریم کورٹ میں داخل کیئے گئے اپنے جواب میں اختر مینگل کے تمام مطالبات کو مسترد کردیا۔ مگر اس بات کا ادراک تو شاید اختر مینگل کو پہلے سے ہی تھا کہ اسکا کوئی بھی مطالبہ نہیں مانا جائیگا جو اس اپنے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سپریم کورٹ صرف آرڈر پاس کرے گی مگر بااختیار لوگ اپنی وردی پر ہاتھ نہیں ڈالیں گے۔ مگر اس سپریم کورٹ نے تو آرڈر پاس کرنا بھی گوارہ نہیں کیا اور یہ کہہ کر اپنا اصل روپ ظاہر کردیا کہ'' ایف سی کے خلاف فیصلہ نہیں دینا چاہتے'' اور اپنے عبوری حکم نامے میں بلوچستان حکومت کو نااہل قرار دے دیا۔ کہاں گیا چیف جسٹس کا وہ واویلہ کہ آسمان گرے یا پہاڑ ٹوٹے لاپتہ افراد کو بازیاب کراکے رہیں

گے۔کہاں گئی 70 سے زائد سماعتوں کا ڈھونگ؟ کہاں گئے سی سی ٹی وی فوٹیج کے ثبوت، آئی جی پولیس اور صوبائی وزراء کی گواہی کے اثرات؟ یہ ہے پاکستانی سپریم کورٹ کا اصل چہرہ جسے اختر جان امید کی کرن قرار دیتے ہیں۔اختر مینگل نے اپنے چھ نکات کا موازنہ شیخ مجیب الرحمٰن کے چھ نکا سے کیا ہے حالانکہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اختر مینگل شیخ مجیب الرحمٰن کے برعکس قومی رہنماء نہیں بلکہ انکی پارٹی کے بعض لوگوں کی حمایت انکے ساتھ نہیں اور شیخ مجیب الرحمٰن کی قوم بنگالی تو اپنی مرضی ومنشاء سے پاکستان میں شامل ہوئی تھی جبکہ بلوچ قوم پر جبری رچے گئے ڈرامے کا ڈراپ سین ہوگیا۔بی ایس او (آزاد) کے ترجمان نے اختر مینگل کو مسخ شدہ لاشوں میں براہِ راست ملوث قرار دیا۔براہمدغ بگٹی نے کہا کہ اختر مینگل آئی ایس آئی کے اشارے پر اسلام آباد گیا ہے۔میر حیر بیار مری نے کہا کہ اختر مینگل ایک سمجھوتے کے تحت اسلام آباد گیا ہے۔اختر مینگل کی نواز شریف کے ساتھ ملاقات پر بی ایل اے کے ترجمان نے کہا کہ بلوچ سرزمین کو ایٹمی دھماکوں سے زخمی کرنے والے مجرم پھرا کھٹے ہوگئے ہیں۔جس پر اختر مینگل نے رونا روتے ہوئے کہا کہ مجھے امید نہیں تھی کہ آزادی پسند مجھ پر اتنا تنقید کریں گے۔

اس مہینے میں بی ایس او (آزاد) کا کارکن ہارون زہری، ڈاکٹر داؤد عزیز بلوچ، قاسم بلوچ، عید محمد بلوچ اور بی این ایم کے کارکن ثناء اللہ بلوچ سمیت متعدد آزادی پسند وعام بلوچ پاکستانی ڈیتھ اسکواڈ کی گولیوں کا نشانہ بنے۔

قبضہ کیا گیا ہے اور بلوچ نے کبھی بھی پاکستان کو اپنا وطن تسلیم نہی کیا ہے اور شروع دن سے اس قبضہ گیریت کے خلاف برسرِ پیکار ہے۔اختر جان کا دعوٰی ہے کہ اگر انکے چھ نکات تسلیم نہیں کیئے گئے تو بلوچستان کے لوگ پاکستان کے ساتھ چلنے کو تیار نہیں ہوں گے۔تو جناب کی خدمت میں عرض کرتے چلیں کہ بلوچستان کے وارث بلوچوں نے بلوچستان پر پاکستان کے قبضے کے پہلے روز سے ہی پاکستان کے ساتھ نہ چلنے کا اعلان کیا تھا اور اسی روز سے قبضہ گیریت کے خلاف نبرد آزما ہیں مگر اختر ہیں کہ کبھی ایک تو کبھی دوسرا خوشنما نعرہ لگا کر اپنی تنخواہ بڑھانے کی سعی میں لگے ہوئے ہیں۔اگر اختر مینگل کے اپنے چھ نکات کو شیخ مجیب الرحمٰن کے چھ نکات کے ساتھ موازنے کو مان بھی لیا جائے تو شیخ مجیب الرحمٰن نے اپنے چھ نکات نہ ماننے پر نہ صرف آزادی کا نعرہ بلند کیا بلکہ بنگالی تحریک آزادی کے روح رواں کے طور پر سامنے آئے اب اختر مینگل سے کوئی یہ پوچھے کہ آپ کے چھ نکات نہ صرف مسترد کیئے گئے بلکہ بلوچستان میں جاری ظلم و بربریت میں تیزی لائی گئی۔اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟ مگر اختر کا ان باتوں سے کیا لینا دینا۔وہ تو قابض کی شہہ پر بلوچستان میں جاری انسانی حقوق کی پامالی کی عالمی ایوانوں میں گونجتی آواز کو پاکستانی آئین کی چاردیواری میں قید کرنے اور اقتدار کیلئے سلیکشن میں اپنا نام درج کرانے آئے تھے۔اختر مینگل کے دورہ اسلام آباد کے موقع پر آزادی پسند رہنماؤں اور تنظیموں کے تندوتیز بیانات اور کھل کر مخالفت سے اختر مینگل کے اختر مینگل کا خود کہنا ہے کہ بلوچستان میں پاکستان کا نام لینے والوں کو غدار کہا جاتا ہے اب وہ خود سوچیں کہ پاکستان سے ساز باز کرنے کے بعد بلوچستان میں انکو کیا کہا جائے گا۔جھالاوان کا مرکز خضدار اکتوبر کے مہینے میں بھی مقتل گاہ بنا رہا۔پاکستانی ریاست کی سرپرستی میں پلنے والے جرائم پیشہ عناصر نے آزادی کے متوالوں کو چن چن کر ٹارگٹ کیا۔اس مہینے میں بی ایس او (آزاد) کا کارکن ہارون زہری، ڈاکٹر داؤد عزیز بلوچ، قاسم بلوچ، عید محمد بلوچ اور بی این ایم کے کارکن ثناء اللہ بلوچ سمیت متعدد آزادی پسند وعام بلوچ پاکستانی ڈیتھ اسکواڈ کی گولیوں کا نشانہ بنے۔مگر اس حسین وادی کے آزادی کے متوالے ہیں کہ تمام تر ظلم وجبر کو خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہوئے تحریک آزادی کی اپنی خون سے آبیاری کرتے ہوئے نہیں تھکتے۔دوسری جانب بلوچ سرمچاروں نے بھی ڈیتھ اسکواڈ کے بے شمار قومی غداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔بی ایل اے کے ترجمان کے مطابق کئی قومی غداروں کے خاندانوں نے ان سے قطع تعلق کا اعلان کرتے ہوئے ان قومی غداروں کے بارے میں تمام معلومات بلوچ سرمچاروں کو فراہم کیئے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ بلوچ عوام قومی غداروں کو کسی صورت بھی قبول کرنے کو تیار نہیں چاہے وہ اپنا کوئی کتنا ہی قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

ماہِ اکتوبر میں بی ایس او(آزاد) کے اخباری بیانات

ادارہ

بی ایس او آزاد
سوراب کے علاقے گدر میں بدترین کارروائی شروع کر دی گئی ہے

کارروائی میں متعدد گھروں کو راکٹوں سے نشانہ بنایا گیا جس سے خواتین و بچوں سمیت متعدد افراد زخمی ہو گئے ہیں، علاقہ گھیرے میں ہے، مرکزی ترجمان

کوئٹہ(پ ر) بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (آزاد) کے مرکزی ترجمان نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ گزشتہ روز صبح 10 بجے سے قبضہ گیر پاکستانی فورسز نے سوراب کے علاقے گدر میں عالم زئی محلّہ کا گھیراؤ کر کے ایک بدترین فوجی کارروائی شروع کر دی ہے جس دوران متعدد گھروں کو راکٹوں سے نشانہ بنا کر مسمار کر دیا گیا ہے جس سے خواتین و بچوں سمیت متعدد افراد زخمی ہو گئے ہیں جبکہ کئی افراد کو پکڑ کر بدترین نشانہ بنایا گیا ہے اور پورے علاقے کو گھیرے میں لے کر اشیاءِ خوردونوش سمیت ہر قسم کی آمدو رفت کیلئے بند کر دیا گیا ہے ترجمان نے مزید کہا کہ نام نہاد حق خود ارادیت کے دعویداروں کے دورہ اسلام آباد، پاکستانی حکمرانوں سے گٹھ جوڑ اور قابض کے اداروں کا معاون بننے کے بعد قابض ریاست پاکستان نے بلوچ سرزمین پر جاری اپنی کشت وخون کی پالیسی میں مزید شدت لائی ہے شعوری، نظریاتی اور فکری ہتھیار سے لیس بلوچ قومی تحریک آزادی نے قابض پاکستان کو سیاسی، معاشی اور اقتصادی طور پر مفلوج کر کے رکھ دیا ہے جس سے بلوچستان میں اسکے قبضہ گیریت کے وجود کی بوسدہ دیوار زمین بوس ہونے کو ہے سرزمین پر جان نچھاور کرنے والے قومی فرزندوں کی لازوال قربانیوں کی بدولت عالمی برادری بلوچ قومی مسئلے کی جانب متوجہ ہوئی ہے اور اقوام متحدہ کے ورکنگ کے دورہ بلوچستان سے عالمی سطح پر پاکستان کے تمام جرائم کا پردہ فاش ہو گیا ہے جس سے حواس باختگی میں مبتلا پاکستانی فورسز نے اپنی وحشت و بربریت اور درندگی میں مزید شدت لائی ہے مگر دشمن ریاست پاکستان کی تمام تر ظلم و بربریت اور اسکے گماشتوں کی ریشہ دوانیاں بلوچ قومی تحریک کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہو کر پاکستان کے مٹتے وجود کو بچانے میں مکمل طور پر ناکام ہوں گی۔

بی ایس او آزاد
مرکزی کمیٹی اجلاس

اصل قوت عوام کے پاس ہے عالمی طاقتیں کسی قوم کو آزاد نہیں کرسکتیں

آزادی پسند سیاسی پارٹیوں کے درمیان انقلابی اصولوں اور نظم وضبط بنیاد پر اتحاد واتفاق کی ضرورت ہے، دنیا کو پاکستان کے ظلم وجبر پر متوجہ کیا جاسکتا ہے، اجلاس میں اہم فیصلے

بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (آزاد) کے مرکزی کمیٹی کا دوسرا اجلاس زیر صدارت بی ایس او آزاد کے مرکزی چیرمین بلوچ خان منعقد ہوا اجلاس میں سہ ماہی تنظیمی کارکردگی رپورٹ، تنظیمی امور، قومی اور بین الاقوامی سیاسی صورتحال اور آئندہ لائحہ عمل زیر بحث ایجنڈے تھے اجلاس میں تنظیم کو مزید منظم اور فعال کرنے کے ساتھ ساتھ کارکنوں کی نظریاتی وفکری تعلیم وتربیت کرنے اور تحریک آزادی میں بلوچ عوام کے کردار کو مزید مؤثر اور فعال بنانے کیلئے بہتر حکمت عملی ترتیب دی گئی اور اہم فیصلے کیئے گئے۔

اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن آزاد کے مرکزی چیئرمین بلوچ خان نے کہا کہ ہم اس تک کامیاب نہیں ہوسکتے جب تک ہمیں اپنے عوام پر یقین نہ ہو اور ہمارے پاس مضبوط تنظیم نہ ہو ہمیں بہرونی قوتوں کے بجائے اپنی قوت اور اپنے عوام پر بروسہ کرنا چاہیئے جب عوام ہمارے ہم خیال بن جائیں تب ہی ہم ایک انقلابی جدوجہد میں کامیاب ہوسکتے ہیں دنیا میں مختلف اقوام نے بے شمار قربانیاں دی ہیں اور انتشار کا بھی شکار رہے ہیں لیکن اپنے عوام پر بھروسہ کرتے ہوئے انہوں نے اپنی طاقت یکجا کی اور جدوجہد کرتے ہوئے کامیاب ہوئے بلوچ تحریک آزادی کو بھی مختلف ادوار میں کامیابیوں اور ناکامیوں کا سامنا رہا جن کے اسباب جاننا ہمارے لیئے ضروری ہے ہمیں اپنی کامیابیوں اور ناکامیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی اپنے تحریک کو کامیابی کے ساتھ منزل تک لے جاسکتے ہیں تحریک تب ہی مضبوط ہوسکتی ہے اور ایک طاقت ور قابض کو شکست دے سکتی ہے جب عوام باشعور اور متحرک ہو اور ایک مؤثر اور منظم تنظیم ہو اصل قوت عوام کے پاس ہے عالمی طاقتیں کسی قوم کو آزاد نہیں کرسکتے بین الاقوامی طاقتوں کی مدد وحمایت بلوچ تحریک کے ساتھ شاید ہو سکتی ہو لیکن جدوجہد اور قربانیاں بلوچ قوم کو دینی پڑیگی بلوچ تحریک آزادی کسی بین الاقوامی طاقت کے مرحون منت نہیں ہے بلکہ ایک تاریخی جہد مسلسل ہے آج بلوچ تحریک آزادی کو کئی درپیش چیلنجز کا سامنہ ہے جن میں ملا ازم، فرسودہ قبائلی سوچ، گماشتہ سیاسی پارٹیوں کا کردار شامل ہیں اور یہ ایک تاریخی سچائی ہے کہ ان تمام چیلنجز کا سامنہ کرنے کے بعد ہی ہم دشمن پر غالب ہوسکتے ہیں منظم تنظیم، مضبوط نظم وضبط، نظریاتی وفکری تعلیم وتربیت اور سخت احتساب کے بغیر آزادی کا حصول ممکن نہیں اور آج ضرورت اس امر کی ہے کہ بلوچ تحریک آزادی میں شامل تمام سیاسی پارٹیاں اور تنظیمیں ان اصولوں پر عمل کریں ان کیونکہ ان اصولوں پر عمل کرکے ہی ہم بلوچ قوم کو ایک بہتر مستقبل دے سکتے ہیں اخباری بیانات، ٹی وی مناظرے اور اخباری مقالمہ وقت کی ضرورت ہیں لیکن عملاً تنظیم کا فقدان ناکامیوں کا سبب بن سکتا ہے پاکستان کے ظلم وجبر کا مقابلہ کرنے کیلئے اپنے عوام کو منظم کرنے کے بعد ہی دنیا کو اپنی طرف متوجہ کیا جاسکتا ہے اگر عوام میں سیاسی اور شعوری پختگی نہ ہو تو شاید بین الاقوامی اداروں میں بلوچ تحریک کے بارے میں آواز اٹھائی جانے والے آوازوں اور عالمی دنیا سے مدد وحمایت حاصل کرلینے کے بعد بھی جس آزادی کیلئے ہم نے بے شمار قربانیاں دی ہیں شاید اس کا حصول ممکن نہ ہو بلوچ قوم کی جدوجہد اور قربانیاں ایک ایسے آزاد وطن کے لئے ہیں جہاں انصاف وبرابری ہو اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے چیئرمین بلوچ خان نے مزید کہا کہ آزادی پسند سیاسی پارٹیوں کے درمیان اتحاد واتفاق کی اشد ضرورت ہے لیکن اتحاد واتفاق کیلئے ضروری ہے کہ اتحاد واتفاق انقلابی اصولوں اور نظم وضبط کے بنیاد پر ہو جہاں انقلابی اصولوں کی پاسداری نہ ہونے پر سخت احتساب ہو جب تک کسی سیاسی پارٹی یا تنظیم کے اندر مضبوط نظم وضبط اور احتساب وخود احتسابی کا فقدان ہو تب تک انقلابی اصولوں اور نظم وضبط کے بنیاد پر دیرپا اور مؤثر اتحاد واتفاق ممکن نہیں بلوچ تحریک آزادی میں شامل سیاسی پارٹیوں اور تنظیموں کے خلاف بلوچ دشمن قوتیں وہ تمام ذرائع استعمال کررہے ہیں تاکہ جن سے آنے والے پاکستانی الیکشن کی راہ ہموار ہوسکے پاکستانی فوج اور عدلیہ منظم انداز میں بلوچ تحریک آزادی کو عالمی سطع پر غیر مؤثر کرنے اور اسے پاکستان کا اندرونی مسئلہ قرار دے کر بین الاقوامی سطع پر سبوتاژ کرنے کی ناکام کوشش کررہے ہیں بلوچ عوام پاکستان کے ان تمام حربوں کو سمجھیں اور اُن کے خلاف ثابت قدمی کے ساتھ جدوجہد کرتے ہوئے انہیں ناکام بنا کر بلوچ تحریک آزادی کو منزل تک پہنچاہیں۔

آزادی کی جدوجہد بلوچوں کی زندگی کا حصہ بن چکی ہے، بی ایس او آزاد

کوئٹہ (پ ر) بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن آزاد کے مرکزی ترجمان نے اپنے جاری کردہ بیان میں کہا کہ پاکستان نے بلوچستان میں اپنے پارلیمانی الیکشن کو ممکن بنانے کیلئے سیکورٹی فورسز، خفیہ اداروں اور زرخرید قاتل گروں کے ذریعے بلوچستان بھر میں جاری سفاکیت کو مزید تیز کردیا ہے اس اثنا میں بلوچوں کو لاپتہ کرنے اور ان کی لاشیں پھینکنے کے عمل میں ایک مرتبہ پھر تیزی لائی گئی ہے عید کے روز پاکستانی خفیہ اداروں کے اہلکاروں نے تین بلوچ فرزندوں زاہد ولد ہیتان اس کے بھائی عمر اور فدا ولد احمد کو اغواء کیا۔ ترجمان نے مزید کہا کہ آزادی کیلئے جدوجہد بلوچوں کی زندگی کا حصہ بن چکی ہے قابض اور اُس کے گماشتوں کی ظلم و بربریت بلوچ فرزندوں کو اپنی عظیم قومی مقصد سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹا سکتا ہے لاپتہ بلوچوں کے اہلخانہ نے عید کے روز احتجاج میں گزار کر دنیا کو پیغام دیا ہے کہ بلوچ قوم اپنی قومی آزادی کے جدوجہد کیلئے قربانی کے جذبوں سے سرشار ہے اور ان کی زندگی کی ہر خوشی اور ہر تہوار جدوجہد سے وابستہ ہے اور وہ اپنی آزادی کیلئے ہر قسم کے ظلم و جبر کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہیں۔ پاکستانی ادارے بلوچستان میں اپنی شکست دیکھ کر جارحیت میں تیزی لاچکے ہیں بلوچ فرزندوں کی قربانیوں اور ماں، بہنوں کی حوصلوں نے پاکستانی ظلم و بربریت کو پسپا کردیا ہے تحریک آزادی کی منظم جدوجہد اور اقوام متحدہ کے بلوچستان کے حوالے پیش رفتوں کے بعد پاکستانی اداروں نے شدید خوف میں مبتلا ہوکر اپنے پیدا کردہ گماشتوں کو بلوچ قومی تحریک کیخلاف مزید متحرک کردیا ہے اور انہیں وسائل فراہم کرکے بلوچستان بھر میں جاری ظلم و بربریت کو ایک مرتبہ پھر تیز کردیا ہے۔ عید کے روز 3 بلوچ فرزندوں کو اغواء جبکہ گزشتہ ایک مہینے کے دوران متعدد بلوچوں کی جبری گمشدگی اور لاشیں پھینکنا پہلے سے جاری بربریت کا تسلسل ہے جو کہ عالمی اداروں کو پیغام دے رہے ہیں کہ پاکستان عالمی دنیاہ کے انسانی حقوق اور اس خطے میں امن کے خوششوں سمیت عالمی قوانین کو کوئی اہمیت نہیں دیتا جو کہ عالمی دنیا کیلئے ایک تشویش ناک بات ہے جبکہ پاکستان اپنے تاریخ میں کبھی بھی عالمی اداروں اور دنیا کے امن کو خاطر میں نہیں لائی ہے جس کے واضع مثالیں پاکستان کی جانب سے دنیا کے دہشت پسند قوتوں کی سرپرستی اور دنیا کو دھوکہ دینے کے مسلسل واقعات ہیں اس لیئے اقوام متعدہ سمیت دیگر عالمی ادارے پاکستان سے امید وابستہ رکھنے کے بجائے خود پاکستان کی جارحیت کے خلاف اقدامات کریں اور اسے عالمی جنگی قوانین کا پابند بنائیں۔

بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن آزاد کے ترجمان نے اپنے جاری کردہ اعلامیہ میں کہا ہے کہ کونسل سیشن کے بعد بی،ایس،او آزاد کے تمام زون تحلیل ہو چکے ہیں اور تمام سابقہ ممبران کی رکنیت ختم ہو چکی ہے تمام زونل کابینہ نئے سرے سے تشکیل دے کر از سرے نو ممبر شپ کی جائیگی۔ بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کے آئین کے مطابق انیسویں قومی کونسل سیشن کے بعد تمام زونوں کو تحلیل کر دیا گیا ہے اور سابقہ تمام ممبران کی ممبر شپ ختم ہو چکی ہے لحاظ جن ممبروں کی انیسویں قومی کونسل سیشن کے بعد ممبر سازی نہیں ہوئی ہے وہ اب مزید تنظیم کی نمائندگی نہیں کر رہے ہیں۔

موجودہ وقت اور حالات میں انقلابی اصولوں کے مطابق تنظیم کاری کر کے ہی ہم بلوچ تحریک کو عالمی و علاقائی سطح پر درپیش چیلنجز کا مقابلہ کر سکتے ہیں مضبوط تنظیم کاری آئین کی پاسداری اور انقلابی نظم وضبط ہی ہماری کامیابی کے ضامن ہیں۔ بی ایس او آزاد کے پرعزم کارکنان شہید کامریڈ قیوم، شہید قمبر چاکر، جاوید اختر، بالاچ، صالح بلوچ سمیت سینکڑوں دوستوں کی شہادتوں اور ہمارے عظیم رہنما زاکر مجید اور ہزاروں نوجوانوں کے قربانیوں کے تسلسل کو جاری رکھتے ہوئے تنظیم کو مزید فعال کر رہے ہیں ایک مضبوط تنظیم ہی شہدا اور اسیران کے ارمانوں اور بلوچ عوام کے ایک آزاد اور خوش حال مستقبل کی امیدوں کو منزل تک پہنچا سکتا ہے۔ بلوچ قومی تحریک کو ناکام کرنے کیلئے ریاست مفاد پرست اور مرعات یافتہ طبقہ کو ایک قوت بنا کر سامنے لانے کی تیاریوں میں مصروف ہے، اور نام نہاد قوم پرست ہر بار کی طرح اس بار بھی شہدا کے لہو کو پاکستانی سیاست کی بازار میں سجا کر دشمن کے لیے ووٹ اور اپنے لیے دشمن کی پارلیمنٹ میں جگہ خریدنا چاہتے ہیں۔ بلوچ عوام اپنے نوجوان سپوتوں کی لہو کو یوں ارزان نہ ہونے دیں گے کیونکہ آج کا بلوچ قومی تحریک حوالے باشعور ہے، آج ہر بلوچ کا گھر ریاستی بربریت سے متاثر ہے۔ بی،ایس،او (آزاد) بلوچ قوم سے امید رکھتی ہے کہ وہ ریاست کے منصوبوں کو ناکام کرنے میں حقیقی قوم دوست فرزندوں کا ساتھ دیگی۔

بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن آزاد کے ترجمان نے بی ایس او آزاد کراچی زون کے سابق صدر عدنان بلوچ کے وفات پر اپنے جاری کردہ بیان میں کہا کہ عدنان بلوچ قومی جدوجہد آزادی میں بی ایس او آزاد کے ایک سرگرم ساتھی تھے عدنان بلوچ اپنی قابلیت اور مضبوط ارادوں سے جدوجہد آزادی میں اپنی زندگی کے آخری لمے تک اپنا انقلابی کردار ادا کرتے رہے بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن آزاد عدنان بلوچ کی جدوجہد کو سلام پیش کرتے ہوئے ان کے جدوجہد کو منزل تک پہنچانے کا عزم کرتی ہے۔

عدنان بلوچ بی ایس او آزاد کراچی زون کے سابق صدر تھے جبکہ تنظیم میں زونل سطح پر مختلف اعہدوں پر فائز رہے جس دوران انہوں نے تنظیم کو فعال کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ عدنان بلوچ کی زندگی انقلابی جدوجہد کی علامت ہے انہوں نے اپنی زندگی بلوچ قومی جدوجہد آزادی کیلئے وقف کر رکھی تھی شدید علالت کے باوجود بھی ثابت قدمی اور جانفشانی سے مختلف زمہ داریاں ادا کرتے رہے انہوں نے اپنے علم اور شعور کو عوام میں پہلایا اور جدوجہد کے ہر مرحلے پر ثابت قدم اور پرعزم رہ کر اپنے ساتھوں کیلئے ایک مثال قائم کیا عدنان بلوچ کے وفات سے ہم ایک انقلابی کردار اور مضبوط ارادوں کے مالک ساتھی سے معروم ہو گئے عدنان بلوچ کی زندگی جہد مسلسل سے عبارت ہے سخت حالتوں میں بھی انہوں نے ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور ساتھیوں کا حوصلہ بڑایا اور شدید علالت اور کمزوری کی حالت میں بھی وہ جدوجہد سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے اور آخری سانسوں تک جدوجہد میں پیش پیش رہے عدنان بلوچ جیسے باصلاحیت اور مضبوط ارادوں کے مالک ساتھیوں کی جدائی ایک المیہ سے کم نہیں عدنان بلوچ کی جدوجہد قومی آزادی کیلئے قربانیاں دینے والے دیگر ہزاروں شہدا اور جہدکاروں کی طرح تاریخ کا حصہ بن چکی ہے ایک روشن اور آزاد مستقبل کیلئے ان کی جدوجہد کو تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائیگا۔